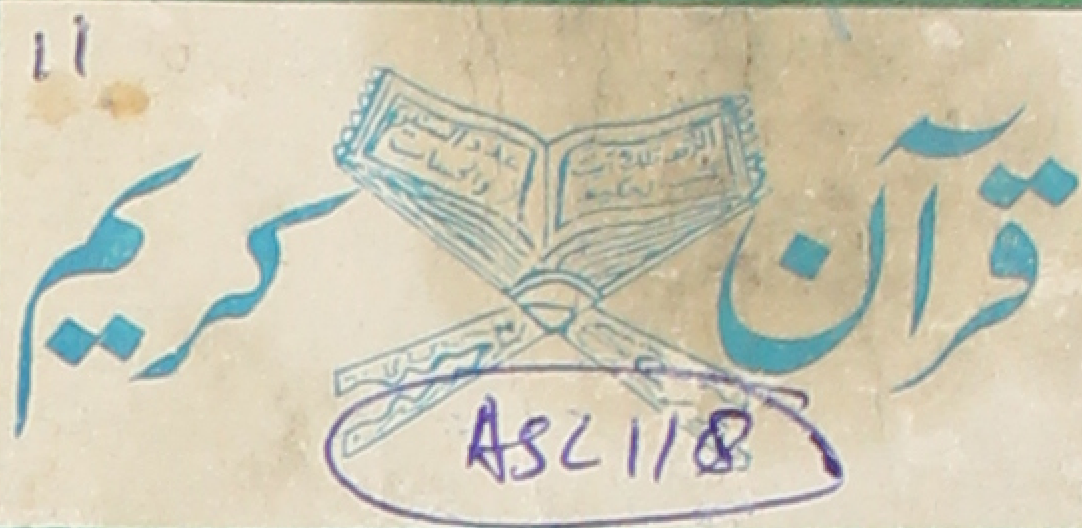
۷۸۶



ایک
لاثانی معجزہ

تصنیف

محترم احمد دی دات

ترجمہ

سعد الدین
امیر جماعت اسلامی جموں و کشمیر

آئیڈیل پبلشنگ اکیڈمی جموں و کشمیر سرینگر

۷۸۶

"سائنسی ثبوت میں اس کا حرف آخر یعنی ریاضی استعمال کر کے محترم احمد دیدات یہاں فطری اور قابلِ تجزیہ شہادت پیش کر کے قرآن شریف کو خداوند تعالیٰ کا صحیح ترین کلام ثابت کرتے ہیں۔

القران

ایک لاثانی معجزہ

از

احمد دیدات

ترجمہ

سعدالدین امیر جماعت اسلامی جموں کشمیر

آئیڈیل پبلشنگ اکیڈمی سری نگر

تعداد .... قیمت Rs 2.50

احمد دیدات

حرفِ تسلیم و تشکّر

اپنے معمولی انداز میں راقم نے قرآن کریم کی خدمت انجام دینے کے لیے جناب ڈاکٹر راشد خلیفہ پی، ایچ، ڈی کی سائنسی تحقیقات کو پیش کرنے کی جسارت کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب اسلام کے بہت بڑے خادم ہیں۔

ان کے تحقیقی کام کا مطالعہ کرنے سے یقین اور گہرے جذبہ کی جو کیفیت راقم نے محسوس کی۔ اس کے تحت کئی گروہ اور عام پبلک کے سامنے راقم نے کئی دفعہ اظہار خیال کیا۔

یہ کوشش بھی میرے جذبہ اور شوق کا ایک پہلو ہے کوششِ ہذا میں میں نے ڈاکٹر خلیفہ کے دیئے ہوئے حقائق کو عام طور پر استعمال کیا ہے۔ اور کئی مقامات پر میں نے ڈاکٹر صاحب کے ہی الفاظ ہو بہو لائے ہیں کیونکہ مجھے ان سے بہتر اسلوب میسر نہ ہوا۔

خدا اپنے بندوں کی کاوشیں منظور فرمائے۔ آمین

پیش لفظ

سعد الدین

راقم کو AL-QURAN THE ULTIMATE MIRACLE
دیکھنے کا موقعہ ملا۔ اس کے دوسرے صفحہ پر یہ نوٹ درج ہے:-

حقوق غیر محفوظ ہیں

"کسی اجازت کے حاصل کرنے کے بغیر اس کتابچہ کو
اصلی صورت میں یا ترجمہ کر کے شائع کرنے پر کوئی پابندی
نہیں......"

میں نے مناسب سمجھا۔ کہ اردو جاننے والے عام لوگوں کے لیے اس
کو اردو کا جامہ پہنا کر پیش کروں۔ افادیت اس کے ملاحظہ کرنے پر ضرور
آشکارا ہوگی۔

سعد الدین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

القرآن
قطعی معجزہ

پہلا باب
ابتدا کا پس منظر

انسانی کردار کا یہ مشترکہ نشان قدیم ترین زمانہ سے موجود رہا ہے۔ کہ جب بھی اس کو خدا کی طرف سے کوئی راہبر اس کے سامنے آئے۔ کہ وہ اسے مرضیٔ رب اور خالق کے منشا سے آگاہ کر کے اس کی زندگی کو صحیح راہ پر لگائیں۔ تو اس چیز کو قبول کرنے کے بجائے اور پیغام کے اوصاف کو سمجھنے کے بدلے اس نے خدا کے فرستادوں سے معجزات طلب کیے۔

مثال کے لیے جناب عیسیٰ علیہ السلام جب اسرائیلی قوم کی طرف مبعوث کیے گئے۔ تاکہ وہ اس قوم کے بگاڑ کو درست کریں۔ اور انھیں قانونی موشگافیوں سے نکال کر انھیں قانون اور احکام خداوندی کے اصلی روح کو اپنانے کے لیے تیار کریں۔ تو قوم نے معجزات طلب کیے تاکہ ان سے ان کی تصدیق ہو سکے۔ سینٹ ماتھیو کی انجیل میں باب ۱۲ آیت ۳۸ اور ۳۹ ملاحظہ کیجیے وہاں یوں درج ہے:-

" پھر کچھ فقیہوں اور فریسیوں نے انھیں جواب میں کہا۔

آقا! ہم آپ سے ایک نشانی چاہتے ہیں۔ اس نے جواب میں فرمایا۔ ایک بد نہاد اور گنا ہگار نسل ایک نشانی کی طالب ہے! اس کو کوئی نشانی نہیں دی جائے گی۔ سوائے اس نشانی کے جو پیغمبر جان JONAS کو دی گئی"

گو اس طرح اس نے معجزہ کے طالبوں سے انکار کیا۔ لیکن ہم پر انجیل سے واضح ہوتا ہے کہ انھوں نے معجزات صادر کر لیئے۔ بائبل میں ایسے بہت سے معجزات کا ذکر ہے جو خداوند کریم نے اپنے فرستادوں کو عطا کیئے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام نشانیاں، عجوبے، معجزات کردۂ خدا ہیں۔ لیکن چونکہ ان کے صدور کا ذریعہ اس کے فرستادہ انسان تھے۔ اس لیے ہم ان کو موسیٰ یا عیسیٰ کا معجزہ کہتے ہیں کیونکہ یہ ان کے ہاتھوں صادر ہوئے۔

جناب محمد صلعم پیغمبر خدا حضرت عیسیٰ روح اللہ کے کوئی چھ سو سال بعد پیدا ہوئے۔ وطن عرب میں مکہ تھا۔ جب انھوں نے اپنی دعوت پیش کی۔ تو مکہ کے لوگوں نے اسی طرح معجزات کا مطالبہ کیا۔ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کے لوگوں نے کر لیا تھا۔

وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّن رَّبِّهِ (29:50)

پھر بھی وہ کہتے ہیں، اس پر کیوں بھیجی نہیں جاتی اس کے رب کی طرف سے نشانیاں

ان کے مطالبہ کا یہ عام انداز ہے۔ خاص طور پر ان کا کہنا تھا۔ کہ محمد صلعم۔ آسمان تک ایک سیڑھی لگائیں اور خدا سے ایک کتاب ہاتھ میں لے کر آئے۔ اور وہ لوگ اس منظر کو بچشم خود دیکھیں۔ ان کا کہنا تھا۔ "پھر وہ ایمان لائیں گے" یا ان کا مطالبہ تھا۔ کہ "وہ قریب کا پہاڑ سونے کا بن جائے"۔ تو پھر وہ ایمان لے آئیں، "یا صحرا میں ندیاں بہ جائیں"۔ تو پھر وہ ایمان لے آئیں۔

اب حضور صلعم کا صاف ستھرا نرم جواب دیکھ لیجیے۔ جو وہ ان غیر معقول ملحدانہ مطالبات کو دیتے تھے۔ "کیا میں تم لوگوں سے کہتا ہوں۔ کہ میں فرشتہ ہوں؟ کیا میں تم لوگوں سے کہتا ہوں۔ کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں؟۔ جو کچھ مجھ پر وحی ہوتا ہے۔ میں اس کی پیروی کرتا ہوں"

اب اس شاندار جواب کو بھی دیکھ لیجیے۔ جو اس کے رب کا ارشاد ہے اور جو حضور منکروں کے سامنے پیش کرتے ہیں :۔

قل انما الاٰیٰت عند اللہ — کہدیجیے۔ معجزات تو اللہ کے ہاں ہیں

وانما انا نذیرٌ مبین — اور میں ایک صاف گو نذیر ہوں

(29 : 50)

درج ذیل آیت میں حضورؐ کو فرمایا گیا ہے۔ کہ وہ قرآن کو معجزہ کے طور پر ان کے اس خاص مطالبہ کے جواب میں پیش کریں۔ جو مطالبہ ان کا نامعقول کافرانہ و ملحدانہ تھا۔ قرآن کہتا ہے

اولم یکفیھم — کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں

انا انزلنا علیك الكتاب — کہ ہم نے تم پر کتاب (قرآن) نازل کر دیا۔
یتلیٰ علیھم — جو ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے۔
ان فی ذلك رحمہ — یقیناً اس میں رحمت موجود ہے۔
وذکری لقوم یومنون — یہ نصیحت ہے (یاد دہانی) ان کے لیے جو ایمان لائیں۔
(29:51)

قرآن کے الٰہی کلام اور معجزاتی انداز کے لیے یہاں دو دلیلیں پیش کی جاتی ہیں

(۱) یہ کہ ہم نے (خداوند تعالیٰ) تم پر یہ کتاب نازل کی ہے "تم" ایک بے علم فرد، ایک اُمّی پیغمبر۔ وہ جو نہ لکھ سکے اور نہ پڑھ سکے۔ جو اپنا نام بھی تحریر نہ کر سکے تھا۔ اس کا دلائل کو حضورؐ کے تعلیمی اوصاف پر لکھتے ہوئے ملاحظہ کریں۔ وہ لکھتا ہے:-

"ایک اور چیز بھی بھولی نہ جانی چاہیے۔ کہ اس نے کسی مدرسہ میں تعلیم نہیں پائی تھی۔ جس کو ہم تدریسی تعلیم کہتے ہیں۔ وہ اس سے بالکل بے بہرہ تھے۔"

خدا جو قرآن کا پاک مصنف ہے۔ حضور کے اس اعلان کی خود تصدیق فرما رہا ہے۔ کہ وہ قرآن کو ہرگز تیار نہیں کر سکتے تھے۔ وہ اس کے مصنف کسی صورت میں نہ تھے۔

وماکنت تتلو من قبلہ فی کتاب ولا تخطہ بیمینك انا لا رتاب المبطلون۔ — اور (اے محمد) آپ کتاب پڑھ نہیں سکتے۔ قرآن آنے سے قبل نہ آپ دست یمین سے اس کو لکھ سکتے ہیں۔ (ایسا ہوتا) تو فضول گو

شک کر سکتے ہیں۔ (29 : 48)

محمدؐ عالم ہوتے، وہ لکھ پڑھنے کے قابل ہوتے۔ تو بازاری افواہ بازوں کو کچھ وجہ ہاتھ آسکتی تھی۔ کہ وہ ان کے دعوے کو کہ قرآن خدا کی کتاب ہے۔ مشکوک بنا دیں۔ حضورؐ ایک تعلیم یافتہ فرد ہوتے۔ تو دشمنوں کے یہ قول کہ شاید انھوں نے قرآن کو یہودی اور عیسائیوں سے نقل کیا ہے یا وہ ارسطو اور افلاطون کا مطالعہ کر کے توراہ، زبور اور انجیل کی مدد سے خوبصورت ادب میں ایک کتاب تیار کر چکا ہے۔ کچھ وزن حاصل ہو جاتا۔ اس وقت یا وہ گو لوگوں کو ایک نکتہ ہاتھ آجاتا۔ مگر یہ نہایت معمولی نکتہ بھی باقی نہیں رکھا گیا ہے۔ تاکہ اس پر بھی منکر اور متعصب کوئی بنیاد نہ ڈال سکیں (اور اپنا جھوٹ سچ ثابت کر سکیں)

(۲) کتاب کے اندر خود اس بات کا ثبوت ہے۔ کہ یہ خدا کی کتاب ہے۔ کسی زاویہ نظر سے اس کو پڑھا جائے۔ اس کا کوئی بھی تجزیہ کیا جائے۔ اس کا مصنف خدائے قدوس شک کرنے والوں سے برملا کہتا ہے:۔

افلا یتدبرون القرآن ولو کان من عند غیر اللّٰہ لوجدو فیہ اختلافا کثیرا۔	کیا وہ قرآن پر غور و فکر نہیں کرتے اگر یہ غیر خدا سے آیا ہوتا تو وہ اس میں کثیر اختلافات پاتے۔

(4 : 82)

کوئی انسانی مصنف تیس سال کے لیے اپنی تعلیمات میں مستقل یکسانیت نباہ نہیں سکتا۔ زندگی کے مراحل سے گزرتے ہوتے جو ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں۔ آدمی کہیں نہ کہیں رواداری کا طریقہ اپنانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور اپنی

تحریر سے آپ اختلاف کرتا ہے۔ کوئی انسان اپنی تبلیغ میں اس طرح یکسو نہیں ہو سکتا۔ جس طرح قرآن حکیم ہے۔ اول سے آخر تک اس میں ایک یکسانیت ہے۔ اور منکرین کے اعتراضات سوائے اس کے اور کچھ نہیں۔ کہ ان کے اپنے بہتر فہم اور فیصلے کے خلاف کچھ معکوس دلائل اور عذرات ہیں۔

بار بار جب محمدؐ سے معجزات طلب کئے جاتے ہیں۔ تو انھیں قرآن کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ قرآن معجزوں کا معجزہ ہے یہ بلند و بالا تعلیم ہے وہ لوگ جو ادبی اور روحانی بصیرت سے نوازے گئے تھے۔ اور جو اپنی ذات کے لیے مخلص تھے۔ انھوں نے قرآن کو ایک حقیقی معجزہ مانا اور قبول کر لیا قرآن کہتا ہے:۔

بَلْ هُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ	نہیں۔ یہ ہیں خود آشکار نشانیاں علم عطا کیے گئے لوگوں کے دلوں میں۔ سوائے ناانصافوں کے کوئی ہماری آیات کا منکر نہیں۔

باب ۲

وحی قرآنی پر سائنسی شہادت

دنیا میں اس وقت کروڑوں مسلمان ہیں۔ جو بلا توقف اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ قرآن خدا کا کلام ہے اور یہ ایک معجزہ ہے۔ آخر وہ کیوں نہ ایسا کریں۔ جب کہ ازلی دشمن بھی قرآن کی معجزانہ شان پر غیر مطلوب شہادت پیش کرتے ہیں۔ آر باسورتھ سمتھ اپنی کتاب "محمد اور محمدازم" میں قرآن کے متعلق تحریر کرتا ہے " نفاست، ادب، حکمت اور حقیقت سے بھرپور ایک معجزہ" ایک اور انگریز اے۔ جے آربری اپنے ترجمہ قرآن کے پیش لفظ میں کہتا ہے "جب بھی میں قرآن سنتا ہوں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا میں گوش بر نغمہ ہوں۔ اور اس نغمہ میں مسلسل ایک وجد آور کیفیت ہے۔ ایک باجہ بجنے کا سماں ہے جو میں اپنے دل کی دھڑکن سے مشابہ پاتا ہوں"۔ ان الفاظ سے اور پیش لفظ میں اس کے اسے دوسرے الفاظ سے وہ ایک مسلمان معلوم ہوتا ہے۔ لیکن وہ ایک مسیحی ہی مر گیا۔

پھر ایک اور برطانوی مصنف مارماڈوک پکتھال اپنے ترجمہ قرآن کے پیش لفظ میں کہتا ہے۔ " وہ ناقابل نقل نسخہ جس کی آواز انسان کو آنسو بہانے اور ایک سرمستی سے سرشار کرنے کو کافی ہے"۔ اس شخص نے اپنے ترجمہ قرآن۔ سے قبل اسلام قبول کیا یا بعد ہم یہ کہنے سے معذور ہیں۔ کہ آیا

اس نے اس چیز کو اسلام قبول کرنے سے پہلے یا بعد محسوس کیا۔ کچھ بھی ہو۔ دوست اور دشمن خدا کی آخری وحی۔ القرآن۔ کے حق میں خالص تعریف و توصیف پیش کرتے ہیں۔ حضور کے ہم عصر لوگوں نے اس کے حسن کو دیکھا، شان کو دیکھا، دعوت شرافت کو دیکھا، اور اس کے پیغام بلند کو دیکھا۔ انھوں نے خدا کے معجزہ کو دیکھا اور اسلام قبول کر لیا۔ تمام توصیف اور تصدیق کے لیے منکر اور ملحد بھی بتاتے ہوگا۔ کہ یہ انفرادی احساسات ہیں۔ اور اس پر وہ عربی سے ناواقفیت کا پہلو اور بڑھائے گا۔ "وہ کچھ دیکھ نہیں سکتا۔ جو تم دیکھتے ہو۔ اور وہ کچھ محسوس نہیں کرتا جو تم محسوس کرتے ہو۔ مجھے کس طرح معلوم ہو جائے۔ کہ خدا ہے۔ اور اس نے اپنے پیامبر محمدؐ کو اس حسین پیغام سے نواز لیا ہے۔"

وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولتا ہے۔ کہ وہ اس کے حسین فلسفۂ عملی اخلاق اور بلند کردار کا منکر نہیں۔ میں تو مان سکتا ہوں۔ کہ محمدؐ ایک مخلص آدمی تھے۔ اور انھوں نے انسانیت کی بھلائی کے لیے بہت سے حقائق پیش کیے۔ میں جس بات میں آپ مسلمان لوگوں کے دعویٰ کی تصدیق نہیں کر سکتا۔ وہ یہ ہے کہ ان حقائق کے لیے آپ فطرت سے ماورا ایک منبع کو بنیاد ٹھہراتے ہیں۔

ایسے ہمدردانہ اور پھر بھی شک زدہ انداز خیال کے لیے قرآن مختلف طریقۂ خطاب اختیار کر کے شک کو دور کرنے میں کوشاں ہے۔ منکرین اور ملحدین متعصب اور متشکک جن کو سائنس کے علم میں بہت زیادہ دسترس کا دعویٰ ہے۔ اور جو اپنے آپ کو ذہنی طور پر بہت ہی قوی جانتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے۔ کہ حقیقت میں وہ اپنے متعلق غلط اندازہ کا شکار ہیں۔ وہ بولتے ہیں مگر اپنی حقیقت سے

نا آشنا ہو کر اپنے آپ کو دیو قامت سمجھ رہے ہیں۔

ان کی حالت اس آدمی کے مشابہ ہے۔ جس نے ایک پہلو میں بہتری حاصل کر کے اپنے دوسرے پہلو کو نقصان پہنچایا ہو۔ کبھی ایک بڑا سر ایک چھوٹے سے ضعیف جسم پر نظر آئے۔ تو وہاں بھی جسم کا ایک حصہ دوسرے حصوں کے نقصان پر ابھر آیا ہے۔ خالق کامل ان سے اس معاملہ میں سوال کرتا ہے۔ اور اس سوال کو پیش کرنے سے پہلے میں اپنی حیرت اور استعجاب کو خود تسکین دینا چاہتا ہوں۔ میں ان علوم کے بزعم خود مالکان سے پوچھتا ہوں۔ کہ ہماری دنیا کو طاقتور دوربینوں سے اس طرح دیکھنے والو جیسے کہ سیارے آپ کے کفِ دست پر ہوں۔ مجھے ذرا بتاؤ۔ کہ یہ سب کس کی کرشمہ کاری ہے۔ مالکان علوم۔ سائنسداں۔ اگرچہ روح میں بے نور ہیں۔ لیکن وہ اپنے علم کو عام کرنے میں بخیل نہیں۔ وہ میرے جواب میں اس طرح بات کرتے ہیں: "اربوں سال پیشتر عالم مادہ کا ایک ہی ٹکڑا تھا۔ اور اس نہایت بڑے مادہ کے ٹکڑے کے مرکز میں ایک بڑا دھماکہ ہوا جس کی وجہ سے فضا میں اس کے حصے منتشر ہو گئے اسی بڑے دھماکہ سے ہمارا نظام شمسی وجود میں آیا۔ اور اسی طرح اجرام فلکی کے جھرمٹ پیدا ہو گئے۔ اور چونکہ خلا میں کوئی رکاوٹ موجود نہیں۔ اس لیے یہ اجرام اپنے اپنے دائروں میں اپنی اپنی راہ پر رواں دواں ہیں۔ عالم وسعت پذیر ہے۔ اور یہ جھرمٹ ہم سے روز بروز زیادہ تیز رفتاری سے دور ہو رہے ہیں۔ اور جب ان کی رفتار روشنی کے برابر ہو جائے گی۔ ہم ان کو نہیں دیکھ سکیں گے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم فوراً طاقتور ترین دوربینیں ایجاد کریں۔

تاکہ ہم ان مناظر کا مشاہدہ کریں۔ ورنہ بہت دیر ہو گی۔ اور ہمارا موقع ہمارے ہاتھ سے چلا جائے گا۔" ہم ان سے پوچھیں" کہ پریوں کا یہ قصہ آپ کو کب معلوم ہو گیا"۔ تو وہ فرمائیں گے" کہ یہ پریوں کے قصے نہیں ہیں۔ بلکہ حقائق ہیں حقائق۔" ہم انھیں یقین دیں۔ کہ چلیے آپ کا یہ قول منظور لیکن یہ تو بتائیے کہ یہ حقائق آپ پر کب منکشف ہو گئے۔" وہ کہدیں گے" بس کل" اور ۵۰ برس کو ہم دنیا کی طویل عمر میں کل کہدیں۔ تو ٹھیک رہے گا۔ اب ایک امّی عرب کو ۱۴۰۰ سال پہلے اس دھماکے کا کچھ علم نہیں ہو سکتا تھا۔ اور نہ ہی آپ کے وسعت پذیر عالم کا۔ آپ یہ بات تو مان ہی لیں گے کہ ایسا کبھی ہو نہیں سکتا تھا۔ تو پھر آپ سن لیجیے۔ اس امّی نے خدا کے وحی کے تحت کیا کہا ہے:۔

اولم یر الذین کفروا	کیا منکرین نہیں دیکھتے
ان السموٰت والارض	کہ آسمان اور زمین
کانتا رتقا	ایک ہی ملا جلا انبار تھے
ففتقنٰھما	اس سے پہلے کہ ہم نے ان کو جدا جدا کر دیا

21 : 30

وھو الذی خلق الیل والنھار	اور یہ وہی ہے۔ جس نے رات اور دن
والشمس والقمر کل فی	اور سورج اور چاند کو پیدا کیا تمام اجرام
فلک یسبحون	فلکی اپنے اپنے مدار پر تیر رہے ہیں۔

21 : 33

" کیا آپ دیکھتے نہیں۔ کہ یہاں آپ ہی مخاطب ہیں۔ آپ سے سائنسدانوں

اور علم زمین سے واقف لوگوں سے، فلکیات کے ماہروں سے جنہوں نے حیرت ناک دریافتیں کی ہیں اور ان کو نوع انسانی کے سامنے کھول کر رکھ دیا ہے۔ مگر وہ ابھی خود اتنے اندھے ہیں۔ کہ خالق کو دیکھ نہیں سکتے۔" ہمارے سائنس اور دائرۃ العلوم کے باوجود ہماری محمل پاکیزگی سے مبرا ہیں۔" یہ کارلائل کا کہنا ہے۔ ایک صحرا نشین اونٹ چرانے والا کیسے ان حقائق تک چودہ سو برس پہلے پہنچ گیا۔ سوائے اس کے کہ دھماکے کے ازلی کارفرنے خود اسے واقف کر دیا۔

"میں تم علم الحیوان کے عالموں سے پوچھتا ہوں جو ایسا محسوس ہوتا ہے۔ کہ تمام زندگی کی پیچیدگیوں کے نباض ہیں۔ کہ وہ بتادیں کہ زندگی کہاں سے وجود میں آگئی۔ اپنے منکر فلکیات کے ماہر دوست کی طرح وہ بھی کہہ دیتے ہیں۔ کروڑوں سال پہلے سمندر کے پانی میں مادہ سے پروٹوپلازم بننا شروع ہو گیا اس سے ایمبیا پیدا ہو گیا۔ اور پھر سمندر سے زندگی کا سلسلہ چل نکلا۔ یعنی مختصراً پانی سے زندگی کی ابتداء ہو گئی۔" اور آپ کو ایک یہ بات کب دریافت ہو گئی" بس کل۔ اس کا جواب بھی اس کے دوست فلکیات کے ماہر کا ہی جواب ہے۔ مگر تمہاری اس دریافت کا اندازہ چودہ سو سال پہلے نہ کوئی فلسفی لگا سکتا تھا نہ شاعر۔ کیا یہ کہنا درست ہے؟ ماہر فلکیات کی طرح ہمارا علم الحیوان کا ماہر دوست بھی زور دے کر پکارے گا۔ ہرگز نہیں۔ ایسی بات ناممکن ہے۔ مگر میں کہہ دوں گا۔ کہ ذرا صحرا کے اس اُمی کے بیان کیے ہوئے یہ الفاظ سنیئے:

وجعلنا من الماء کل شئ حی	اور ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کر دی
افلا یومنون	پھر (یہ منکرین) کیوں ایمان نہیں لاتے۔

تمہارے لیے اے دانشورو یہ یقین کرنا مشکل ہوگا کہ یہ الفاظ قادر اور سمیع و بصیر خالق کائنات نے تم سے کہہ دئے ہیں۔ یہ اس انکار اور شک کے جواب میں ہے۔ جس میں تم لوگ مبتلا ہو۔ چودہ سو سال پہلے صحرا نشینوں کے لیے وہ برمحل نہیں ہو سکتے تھے۔ مصنف اے دانشوران عالم تم لوگوں سے مخاطب ہے اور تم کیسے خدا پر ایمان نہیں لا سکتے، اس کے وجود کے منکروں میں تمہیں آخری درجہ ہونا چاہیئے تھا مگر تم ہو کہ صف اول میں آدھمکے ہو۔ آخر آپ کس مرض میں مبتلا ہو گئے ہیں؟

ماہر نباتات سے، ماہر حیوانات سے، ماہر فطرت سے جو اپنی تیز بینی سے فطرت کی تہ تک جاتے ہیں۔ مگر منکر خدا ہیں۔ محمدؐ کے ذریعہ کائنات کا رب قدیر مخاطب ہو کر کہتا ہے:۔

سبحان الذی خلق الازواج کلها ومما تنبت الارض ومن انفسهم ومما لا یعلمون
(36 : 36)

تسبیح اس کے لیے ہے جس نے تمام چیزوں کو جوڑا جوڑا پیدا کیا زمین کے نباتات اور تمہارے نوع میں ایسا ہی کر لیا اور ان چیزوں میں بھی (ایسا ہی کیا) جو تمہارے علم میں نہیں۔

اس کتاب کے آیات اپنی تشریح آپ ہیں۔ قرآن کے واقف ہر انسانی معلومات میں خدا کے ہاتھ کو محسوس کرتے ہیں۔ یہ رحیم خدا کی آیات اور نشان تھے۔ جن کے ذریعے رب کائنات انسان کے شکوک کا ازالہ کر کے اس کے یقین کو مستحکم کر لیتا ہے:۔

ان فی ذالك لآیات للعلمین
(30 : 22)

ان میں اہل علم کے لیے نشانیاں ہیں۔

یہ کیا قسمت کا چکر ہے کہ اہل علم ہی باغی ہیں۔ ان کے ذخیرہ ہائے علوم نے ان کو تکبر سے نواز لیا ہے۔ ان کے اندر وہ بااصول ترقی نہیں پائی جاتی جو ہر صحیح علم کے ساتھ لازماً موجود ہوا کرتی ہے۔

باب ۳
مقدس کتاب

وہ توکل کے لوگوں کے لیے کتاب الٰہی کے معجزات ہیں مگر "آج" کے لوگوں کے لیے کیا کچھ ہے۔ اس زمانہ کے لیے جو معجزاتی کارکن اور الکٹرانک ساحر کمپوٹر۔ کا زمانہ ہے۔ انسان کے دماغی فرزند کا زمانہ ہے نہ کہ جسمانی مادت کا (ٹائم میگزین فروری ۲۰ سنہ ۷۸ء

الکٹرانک کمپوٹر کی ایجاد سے ہم القرآن کے ایک نئے باب سے اچانک دوچار ہو رہے ہیں۔ اور ایسا ہونے سے کتاب الٰہی تخلیق میں حتمی معجزہ کا مقام لے لیتی ہے۔

معجزہ کی سادہ تعریف یہ ہے۔ انسانی طاقت سے ماورا کام، ہم کسی طرح ایک منکر خدا، ایک ملحد ایک کمیونسٹ، ایک عیسائی پہ واضح کریں۔ کہ کتاب مقدس کلام خدا ہے اور یہ معجزوں میں سے برتر ایک معجزہ ہے ہمیں ان لوگوں کو مکمل سائنس سے مسخر کرنا ہوگا۔ ریاضی سے قائل کرنا ہوگا۔ کیونکہ ریاضی میں طرف داری کا سوال نہیں اور اس کی اپیل اس کی زبان کے ساتھ ساتھ عالم گیر حیثیت رکھتی ہے۔ امریکی، چینی، روسی، افریقی یا کسی ایشیائی کو قرآن کا معجزہ دیکھنے، محسوس کرنے، اور اچھی طرح زیر امتحان لانے کے لیے یہ ضروری نہیں۔ کہ وہ قرآن کی زبان۔ عربی کا عالم ہو یا اس کو جان کے۔ صرف

یہ امر ضروری ہے۔ کہ وہ دیکھنے کے لیے آنکھیں رکھتا ہو اور کم سے کم انیس کے عدد تک گنتی سے واقف ہو۔ انیس جو ۱۰+۹ سے بنتا ہے۔

اس قیمتی معجزہ کی پرلطف کیفیت سے حظ حاصل کرنے کے لے دوسری بات جو ہمیں سمجھنی ہے۔ وہ یہ ہے کہ قرآن کو جس ترتیب میں ہم آج یاد ہے یاں۔ یہ اس کی روایتی ترتیب ہے جس کو حضورؐ نے خود ہی ہدایات کے تحت قائم کیا ہے لیکن قرآن اس ترتیب سے حضور پر نازل نہیں ہوا ہے۔ بلکہ اس کو وقت وقت پر جزاً جزاً حضور پر بھیجا گیا ہے۔ جیسے کہ موقع کی ضرورت تھی۔ ایسے جیسے کہ برمحل تبصرہ خبر، یا تفصیلی بیان شائع کیے گئے ہوں۔

ہمیں معلوم ہے۔ کہ ان کی اولین دعوت کیا تھی۔ مکہ سے شمال میں کوئی تین میل کے فاصلے پر حضور ایک غار میں تشریف فرما تھے رمضان کی ستائیسویں تاریخ تھی۔ حضور کی عمر چالیس سال تھی وہ حسب معمول غار میں تشریف لائے تھے ان کی عادت تھی۔ کہ وہ کبھی اکیلے اور کبھی ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ کو ساتھ لے کر یہاں سکون آرام اور غور و فکر کے لیے آیا کرتے تھے۔ آج وہ اکیلے تھے۔ ایک واقعہ ہوا کہ جبریل نے انھیں اپنی مادری زبان میں کہدیا ”اِقرأ“ اور اپنی اس پہلی ملاقات میں انھیں سورۂ علق کی پانچ آیتیں ملیں۔ اس وقت یہ سورۃ قرآن کی چھیانوی صورت ہے۔ یہ آیات یہ ہیں :-

حضورؐ پر پہلی وحی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	اللہ رحمان راحم کے نام سے
اقرأ باسم ربك الذی	پڑھ اپنے ربِ خالق کے نام سے جس نے

خلق خلق الانسان من علق
اقرأ وربك الاکرم الذی
علم بالقلم علم الانسان
مالم یعلم

انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا
پڑھ۔ تمہارا خدا سب سے بڑھ کر مہربان
ہے۔ وہی ہے۔ جس نے قلم کا استعمال
سکھایا انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ
جانتا نہ تھا۔

یہ ہیں اولین پانچ آیات سورۂ علق سے جواب چھیانوی سورت ہے۔ خدا نے حضور کو منتخب کیا۔ کہ اس کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچائیں۔ لیکن حضور کے حق میں یہ کوئی خصوصی موقع نہ تھا۔ جس پر ان کی دستار بندی کی گئی ہو اور سند امتیاز دی گئی ہو۔ وہ اس امر کے سہارنے کے لیے تیار بھی نہ تھے۔ وہ جلدی سے گھر چلے گئے۔ اور وہاں ان کو اپنی چہیتی بیوی نے تسلی دی، اور سہارا دے دیا۔ وہ اس واقعہ سے حیران اور متفکر تھے۔ اولین اثرات ختم ہوئے۔ تو انھوں نے معاملہ پر غور کرنا شروع کیا۔ انھیں اس قسم کے مزید اکرام کی تڑپ محسوس ہوئی دوسرے واقعہ تک ایک لمبا عرصہ گزرا۔ اس میں حضور خدا کی باتیں اور بہتر زندگی کے خدوخال پیش کرنے لگے۔ زبانیں بولنے لگیں۔ اور یار لوگوں نے مشہور کر دیا۔ کہ محمدؐ پر جنون سوار ہو گیا یا اس پر سایہ ہے۔ اس قسم کے لغویات کے جواب میں دوسری دفعہ ان پر کچھ آیات نازل ہوئیں۔ یہ سورۂ قلم کی آیات ہیں۔ یہاں میں قاری کو توجہ کو اس وحی کی دوسری آیت کی طرف پھیرنا چاہتا ہوں۔ قرآن کے اس اڑسٹھ ۶۸ ویں سورت کی دوسری آیت یہ ہے:۔

ما انت بنعمة ربك بمجنون

آپ نہیں ہیں، اپنے رب کی مہربانی سے مجنون یا سایہ زدہ

(68 : 21)

محمدؐ پر دوسری وحی کے آیات یہ ہیں:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ن ۔ والقلم وما یسطرون
ما انت بنعمة ربك بمجنون
وان لك لاجرا غیر ممنون
وانك لعلیٰ خلق عظیم

قسم ہے قلم کی اور جو کچھ لکھا جاتا ہے آپ خدا کے فضل سے نہ مجنوں ہیں نہ سایہ زدہ ۔ یقیناً آپ کے لیے ایک بے انتہا اجر ہے ۔ یقیناً آپ اخلاق کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہیں ۔

(68 : 1-4)

اس آیت (دوسری آیت) میں اللہ تعالیٰ کچھ قوموں کی تہمت کو رد کرتا ہے ۔ حضور تو سب سے بڑھ کر عاقل اور دانا و ذہین آدمی ہے لیکن انسان کی عادت ہے کہ وہ حق کو باطل اور دانائی کو جنون کا نام دیتا ہے ۔ حضورؐ کے پیشرو جناب مسیحؑ کو بھی اپنے مخالفوں نے اس طرح کی تکالیف کا شکار بنایا تھا انجیل میں ہم لکھا ہوا پاتے ہیں " اور بہت سے کہتے تھے ۔ کہ اس کے ساتھ شیطان ہے اور وہ دیوانہ ہے ۔ اس کو کیوں سنا جائے ۔" (جان ۱۰ : 20) بسا اوقات حضرت عیسیٰؑ کے اپنے عزیز اصحاب بھی ان کو عقل مندی سے بے بہرہ کہا کرتے تھے ۔ " اور جب ان کے دوستوں نے سنا تو وہ ان کو پکڑنے

کے لیے باہر آئے۔ کیونکہ ان کا کہنا تھا۔ کہ وہ آپے سے باہر ہیں اور دانشور جو یروشلم سے آ گئے۔ کہنے لگے ان کا ساتھی ابلیس ہے۔ اور شیاطین کے شہزادہ کی مدد سے وہ شیطانوں کو نکال لیتا ہے" (مارک ۳- ۲۱: ۲۲) جناب عیسیٰ کی ان اور دوسری معجزوں کے باوجود کہا گیا ہے۔ "اس کے بھائی اس پر یقین و ایمان لانے والے نہ تھے" (جان ۷- ۵) خوش قسمتی سے حضورؐ کا حال ایسا نہ تھا۔ ان پر اولین اور مستقلاً ایمان لانے والے اپنے قریبی لوگ تھے۔ جو انھیں اچھی طرح جان لیتے تھے۔

ہم متفق ہیں کہ دوسری وحی پر کہ یہ ایک الزام کے جواب میں تھی پھر تیسری وحی آئی، جس میں حضورؐ کو سورۂ مزمل کی کچھ اولین آیات القا ہوئیں۔ سورہ مزمل اس وقت قرآن کی تہتر ویں سورۃ ہے، پانچویں آیت میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

انا سنلقی علیک قولاً ثقیلا (73 : 5)	جلدی ہم آپ پر ایک بھاری پیغام بھیج دیں گے۔

حضورؐ کو جو کچھ عطا ہو رہا تھا۔ اچھا تھا۔ حسین تھا۔ بے حد ضروری اور باوزن تھا۔ لیکن مالک وحی اب کچھ غیر معمولی عطیہ بھیج دینے والا تھا۔

چوتھے وحی کے طور پر حضورؐ کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے سورہ مدثر کے اولین نصف کے قریب وحی کیا۔ یہ قرآن کی چوہترویں سورت ہے پہلی آیت سے لے کر دسویں آیت تک وحی ہوئی۔ جو

۳۰- علیھا تسعۃ عشر	اس پر انیس مسلط ہیں ۔ ✓

پر ختم ہوتی ہے۔

یہاں حضور کو آج تک آئی ہوئی وحی کے مقابلے میں سب سے زیادہ آیات ملتی ہیں۔ کسی پیشتر وحی میں اتنی آیات نہیں تھیں۔

حضور اس طرح پہلی پانچ آیات سے بڑھ کر اب تیس آیات پا چکے ہیں۔ اگر پوری سورہ مدثر وحی ہوتی تو اور ۲۶ آیات سے سورۃ مکمل ہو جاتی۔ لیکن جبریل تیسویں آیت پر ہی ٹھہرے اور آگے نہ بڑھے۔

تیسری اور چوتھی وحی بالترتیب یہ ہے :-

(۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یاایھا المزمل قم الیل الا قلیلا نصفه او نقص منه قلیلا او زد علیه ورتل القران ترتیلا انا سنلقی علیك قولا ثقیلا	اے کمبل میں لپٹے ہوئے رات کے وقت عبادت میں کھڑا ہو جا۔ تمام رات نہیں نصف رات یا اس سے کچھ کم یا اس سے کچھ زیادہ تلاوت میں ترتیل کے ساتھ مشغول رہ، عنقریب تمہاری طرف ہم ایک وزنی پیغام بھیج دیں گے۔

(۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یاایھا المدثر قم فانذر وربك فكبر وثیابك فطهر والرجز فاهجرولا	اے کمبل پوش اٹھ اور لوگوں کو خبردار کر اپنے رب کی تکبیر بیان کر اپنے کپڑوں کو صاف اور بے داغ رکھ، برائی سے

تمنن تستکثر ولربك فاصبر .... تا
دور رہ اور منت نہ رکھ اور نہ زیادہ حاصل کر اور خدا کے کام میں صبر و استقامت سے کام لے۔....

علیھا تسعة عشر
اس پر انیس مسلط ہیں۔

باب ۴

عظیم ادیبوں کی تصدیق

سورہ مدثر کی تیسویں آیت علیھا تسعۃ عشر کو اپنے پس منظر میں دیکھ لیں۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ آیت بھی اتہام کا جواب ہے۔ یہ ایک نئی تہمت ہے۔ اول اول منکرین حضور کو جنون ہونے کا طعنہ دیتے تھے۔ اب یہ دیکھتے ہوئے کہ لوگ ان کی دعوت پر آہستہ آہستہ مگر مستقل طور پر لبیک کہہ رہے ہیں۔ اور ان کے اپنے رشتے میں سے لوگ اس دعوت کو قبول کر رہے ہیں۔ اور سوسائٹی کے کچھ معزز لوگ بھی ان میں شامل ہیں۔ انھوں نے جنون کے شوشے کو جادو سے بدل دیا۔ وہ کہنے لگے کہ محمدؐ قرآن کو جس انداز میں پیش کر کے لوگوں کو مسحور کر رہے ہیں۔ یہ جادو ہی ہے۔

تیسویں آیت سے پہلے چھ آیتیں ہیں :-

فقال ان هذا الا سحر یوثر ان هذا الا قول البشر ساصلیه سقر وما ادرٰىك ما سقر لا تبقی ولا تذر لواحة للبشر علیها تسعة عشر	پھر اس نے کہا یہ بس جادو ہے۔ جو پرانے لوگوں سے ملا ہے، یہ انسانی کلام سے زیادہ اور کچھ نہیں، جلدی ہی میں اس کو سقر میں پہنچا دوں گا، آپ پر کون واضح کر سکتا ہے کہ جہنم کیا ہے، اس میں نہ طاقت برداشت کا سوال ہے نہ فرار کا، یہاں آدمی کا رنگ بدلتا

ہے اس پر انہیں مسلط ہیں۔

نئی تہمت کا جواب دینے سے پہلے میں تھامس کارلائل کو نقل کرتا ہوں جس نے حضور صلعم پر اپنی دفاعی تقریر میں منکرین کے اس دعویٰ کو خوبصورتی سے رفع کر دیا ہے۔ وہ کہتا ہے "ساحر اور جادوگر؟ نہیں نہیں یہ پرجوش دل جو ایک بھٹی کی طرح شعلہ زن تھا۔ اپنے خیالات میں سلگ رہا تھا۔ جادوگر نہیں تھا" مکہ کے کافر جن کو الٰہی رہبری کا شعور نہیں ہو سکتا تھا وہ حیوانات کی طرح زندگی گزار رہے تھے۔ اس اثر کو جو ان کے مرد اور عورتیں قبول کر رہے تھے۔ جادو اور سحر کہہ کر جتلانے لگے۔ وہ اپنے زمانہ اور ماحول کے پیداوار تھے۔

اوپر دی ہوئی آیات کو اپنے پس منظر میں پڑھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے آیت ۲۴ میں دی ہوئی ناقابل قبول تہمت کا ازالہ کیا ہے۔ وہ کہتے ہے۔ قرآن سوائے جادو کے اور کچھ نہیں۔ لیکن آیت ۲۵ میں تراشیدہ الزام سنگین ہے۔ اور کافران مکہ کے دماغ جس بیماری میں مبتلا تھے۔ وہ آج بھی اسلام کے بہت سے غیر مسلم مخلص اور کرم فرما دوستوں میں موجود ہے۔ کارلائل بھی اس کا شکار رہے یہ مستقل بیماری یہ ہے کہ حضور کو قرآن کا مصنف بتایا جاتا ہے اور اس حق سے انکار کیا جاتا ہے۔ کہ قرآن ان پر خدا کی طرف سے بذریعہ وحی بھیجا گیا۔ دشمن آج بھی کہتا ہے:۔

ان ھٰذا الا قول البشر — مدثر آیت ۲۵

بس یہ کلام انسانی ہے اور کچھ نہیں۔

دوسرے الفاظ میں منکرین کا کہنا ہے۔ کہ یہ محمد ہمیں جو قرآن سنا رہے ہیں

وہ اپنے الفاظ کو خدا کی طرف منسوب کر کے پیش کرتے ہیں۔ اور اس کو کلام اللہ کا نام دیتے ہیں۔ وہ کتاب تصنیف کرتے ہیں اور فریب سے کام لے رہتے ہیں شاید وہ سوچتے تھے۔ کہ حضور نے اس کتاب کو یہود اور عیسائیوں کی کتب سے نقل لے کر تیار کیا ہے۔

کئی ایک غیر مسلم مصنف جہاں حضور کے لیے شاندار تعریف و توصیف سے کام لیتے ہیں۔ وہاں وہ بھی اسی غلط فہمی میں عمداً یا سہواً مبتلا ہو گئے ہیں۔ کہ حضور قرآن کے مصنف ہیں۔ ذیل کے اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ گبن۔ مشہور مورخ اسلام اور قرآن کے متعلق کہتا ہے۔" محمد کا مذہب الجھنوں کے پھندوں سے پاک ہے۔ اور قرآن توحید پر ایک شاندار شاہد ہے" ایسا کہنے کے باوجود گبن منکر ہی مر گیا۔ اس کی مشہور کتاب ہے۔

"لارمی سلطنت کا عروج و زوال"

۲۔ تھامس کارلائل۔ گذشتہ صدی کی ایک بڑا مفکر اپنی کتاب "ہیرو اور ہیرو ورشپ" "پیغمبر صحرا" کے عنوان کے تحت درج کرتا ہے۔" ایسے آدمی کا کلام بلا واسطہ فطرت کے دل کی آواز ہے لوگ اس کو سنتے ہیں اور انھیں ضرور سننا چاہیے اور کسی اور چیز پر توجہ نہیں دینی چاہئے۔ اس کے مقابلے میں کوئی کلام وزن نہیں رکھتا۔"

یہ الفاظ دیگر محمدؐ کے کلام کے مقابلہ میں باقی کچھ نہیں۔ گرم روح ہے مگر یہ عظیم مفکر چرچ آف انگلینڈ کا مقلد مرا۔

۳۔ ریورنڈ آر باسورتھ سمتھ ایک عیسائی مبلغ اپنی کتاب "محمد اور محمدازم"

میں حضور اور قرآن کے متعلق یوں لکھنے پر مجبور ہوا ہے" خود بے علم اور مشکل سے پڑھنے اور لکھنے کے قابل پھر بھی وہ ایک کتاب کا مصنف تھا جو کتاب بجائے خود شعر بھی ہے اور کتابِ قانون بھی ہے، عام عبادت کی کتاب بھی ہے اور ایک بائبل بھی ہے۔ سب ایک میں سموئے ہوئے۔ اس کتاب کو آج تک دنیائے انسانیت کا چھٹا حصہ عزت کا مقام دیتا ہے۔ اور اس کو اسلوب کی پاکیزگی کا معجزہ، حکمت اور صداقت کا خزانہ جانتا ہے۔ یہ ایک معجزہ ہے جس کا محمد نے دعویٰ کیا ہے وہ اس کو مستقل معجزہ کہتا ہے اور بے شک یہ ایک معجزہ ہے۔" باسورتھ ایسا کہنے کے باوجود تثلیث کا گرفتار رہ کر مر گیا

۴۔ لامارٹائن۔ فرانس کا مشہور مورخ اپنی تاریخ "ترکوں کی تاریخ" میں اپنے شاندار تعریفی کلمات یوں جمع کر چکا ہے۔" فلسفی، مقرر، پیغمبر، قانون ساز، مرد میدان جنگ، اقلیم خیال کا فاتح، عقلی یقین کا بانی، ایک بے صنم فرقہ کا موجد، بیس ارضی شہنشاہیتوں کا تیار کنندہ ایک روحانی شہنشاہیت ساز۔ یہ ہے محمد۔ تمام معیار جن سے انسانی عظمت کو ناپا جا سکتا ہے لگا کر ہم پوچھ سکتے ہیں اس سے عظیم کوئی فرد ہو تو بتاؤ!

لامارٹن نے اپنے سوال کا جواب خود یہ کہہ کر دے دیا ہے کہ ان سے عظیم کوئی ہے نہیں۔ محمد یقیناً سب سے عظیم ہے۔ مگر یہ مکرم فرانسیسی جب مرا تو مسلم نہیں مرا۔

۵۔ جولیس ایم ۔ ممالک متحدہ امریکہ کا یہ ماہر نفسیات ۱۵ر جولائی سنہ ۶۲ء

کے ٹائم میگزین میں ایک عنوان پر تحریر کرتا ہے۔ عنوان یہ ہے۔ کہ "رہنما کہاں ہیں" تاریخ کے مختلف مشہور ادیبوں کا تجزیہ کرنے کے بعد وہ لکھتا ہے۔ "شاید تمام زمانوں کے لیے سب سے بڑا لیڈر محمد تھا"۔ یہودی مرتے ہوئے وہ اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کو دوسرے نمبر پر رکھ دیتا ہے اور حضرت عیسیٰ اور مہاتما بدھ کو وہ بالکل فہرست میں جگہ نہیں دیتا۔ اس کا معیار اس کی کتاب "بائبل محمد کے متعلق کیا کہتی ہے" میں دیکھ لیجیے۔

۶۔ ہیجل ایچ ہاٹ ۔ اس امریکی ماہر فلکیات، مورخ اور ریاضی داں نے حال ہی میں ۵۷۲ صفحوں پر مشتمل ایک کتاب شائع کی ہے۔ اس کا نام "سو" یا "بہترین سو" یا "تاریخ میں عظیم سو" ہے۔ آدم سے لے کر آج تک کے مرد اور خواتین میں سے وہ "سو" نام چن لیتا ہے جو اس کے نزدیک تاریخ ساز لوگوں کے نام ہیں۔ اور ان میں وہ حضورؐ کا نام سر فہرست درج کرتا ہے۔ عجیب بات ہے۔ کہ وہ اپنے نجات دہندہ اور مربی حضرت عیسیٰؑ کو وہ تیسرے نمبر پر رکھ لیتا ہے۔

ہم اپنی فہرست میں کئی ایک غیر مسلم مشہور اہلِ قلم کو شامل کر سکتے ہیں۔ مثال کے لیے برنارڈ شا، جان ڈیون پورٹ، گاندھی وغیرہ کو لیجیے۔ ان لوگوں نے حضور کی شاندار تعریف کی ہے اور بتایا ہے کہ وہ کروڑوں میں بے مثال تھے۔ وہ تاریخ کے عظیم فرد تھے، وہ مذاہب کی تمام شخصیتوں میں سب سے زیادہ کامیاب تھے، اور ناممکن ہے کہ زمانہ پھر ان جیسا عظیم فرد پیدا کرے۔

یہ اور اس کے علاوہ بہت کچھ اور حضورؐ کو زیب دیتا ہے لیکن یہ تعریف و توصیف مسلمان کے لیے ایک مسئلہ پیدا کرتی ہیں۔ وہ یہ ہے۔ کہ یہ لوگ۔ پھر کیوں حضور کو نہ مان گئے انہوں نے اسلام کیوں قبول نہیں کیا۔

میرا خیال یہ تھا۔ کہ یہ غیر مسلم منافق تھے۔ لیکن میرا یہ فیصلہ غلط تھا۔ آج کی تازہ قرآنی دریافت کے بعد میں نے ان بڑے آدمیوں کے متعلق اپنی رائے بدل دی ہے۔ باوجودیکہ انھوں نے حضورؐ کو اپنے پیغمبروں اور پیشواؤں سے بلند مقام دیا ہے۔ وہ سمجھتے تھے۔ کہ محمدؐ نے اسلام کو خود تیار کیا ہے۔ اور یہی یقین ان کے نہاں خانۂ دماغ میں موجود تھا اور انھیں اسلام قبول کرنے میں رکاوٹ بنا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ حضور ہی قرآن کے مصنف تھے۔ ان میں سے کچھ تو اس رائے کا برملا اظہار کرتے تھے اور کچھ ڈھکے چھپے یہی بات کہتے ہے۔ لیکن وہ سارے کے سارے یہ پختہ یقین رکھتے تھے کہ حضورؐ کی کامیابیاں ان کے لیے انسانی جدوجہد اور عقل وزیرکی کا پھل تھیں۔

بجل ہاٹ جس کا ذکر ہم نے اخیر میں کر لیا ہے۔ یہ کہنے کے بعد کہ محمدؐ تاریخ میں سب سے زیادہ با اثر آدمی تھے۔ خواہ وہ دین کا دائرہ تھا۔ یا دنیا کا۔ وہ اپنے مضمون میں اپنے نتیجہ فکر کو حقیقت ثابت کرنا چاہتا ہے۔ اور اپنی کتاب کے صفحہ ۳۹ پر اس تحت الشعور کو واضح کرتا ہے جو اس کے اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ بنا۔ وہ کہتا ہے "پھر وہ ایک کتاب کا مصنف ہے۔ یعنی قرآن جو محمدؐ کے چند اندرونی محسوسات ہیں۔ جن کے متعلق اسے یقین تھا۔ کہ خدا سے بلاواسطہ اس کو عطا ہوئے ہیں۔" یہاں "وہ مصنف ہے" کے الفاظ

قابل توجہ ہیں۔ تھامس کارلائل کہتا ہے "ایسے آدمی کا کلام" اور باسورتھ لکھتا ہے "پھر بھی ایک کتاب کا مصنف تھا" یہ ہیں ان کے اسلام نہ قبول کرنے کے وجوہ۔ خدا نے سورہ مدثر کی پچیسویں آیت میں کہا ہے۔ منکرین کا کہنا ہے کہ یہ بس ایک انسان کا کلام ہے اور کچھ نہیں۔ یعنی قرآن انسان کی تصنیف ہے۔

باب ۵

علیہا تسعۃ عشر

اس پر انیس مسلّط ہیں

اس جھوٹے مفروضہ کے جواب میں مصنف قرآن یعنی خدائے برتر ایک نمایاں خبرداری کو پیش کرتا ہے وہ کہتا ہے " عنقریب اس کو جہنم رسید کر دوں گا" اس انتباہ کا آخری جملہ یوں ہے علیہا تسعۃ عشر اس پر انیس مسلط ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص باطل مفروضہ بنا کر پیغمبر برحق کے خلاف جھوٹ کا طومار باندھتا ہے اور کہتا ہے۔ کہ وہ کتاب کا مصنف ہے اس شخص پر دیگر چیزوں کے علاوہ انیس مسلط ہوں گے۔ اس کو ۱۹ کے ہاں جواب دہی کرنی ہوگی۔

یہ انیس کیا ہیں؟ ہمارے ماضی کے علماء نے اس انیس کے متعلق نفیس اندازے لگائے ہیں۔ کچھ فرما چکے ہیں کہ یہ دوزخ کے انیس فرشتوں کی طرف اشارہ ہے جو جہنم رسیدوں پر داروغہ ہوں گے۔ کچھ دوسرے کہتے ہیں۔ کہ ۱۹ سے مطلب انسان کی انیس قوتیں ہیں۔ اور کچھ اور ہیں۔ جو انیس سے یہ مطلب نکالتے ہیں۔ کہ اشارہ اسلام کے انیس بڑے ارکان سے ہے (ملاحظہ ہوں یوسف علی اور دریابادی صاحبان کی تفاسیر) لیکن ہر مفسر اپنے نادیہ خیال کے اظہار کے بعد فاتحہ پر لکھتا ہے۔ واللہ اعلم، خدا بہتر جانتا ہے۔ کوئی بھی

مفسر ضدی اور اپنی رائے پر مصر نہیں۔ لیکن واللہ اعلم کا منشا۔ یہی ہے۔ کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انیس کے اصل مقصد پر روشنی نہیں ڈالی ہے۔ انھوں نے ایسا کیا ہوتا تو ہمیں اندازہ لگانے کی بالکل ضرورت نہ ہوتی۔

انیس صرف ایک عدد ہے۔ عرب کے لیے اس آیت سے پہلے اس عدد کی اہمیت کیا تھی۔ اس کا مطلب انیس ہی تھا یعنی دس + نو۔ باقی کے ۱۴۰۰ سال میں بھی انیس انیس ہی رہا۔

دنیا کی مختلف زبانوں میں اعداد اپنے عددی قیمت کے علاوہ کچھ اور بھی واضح کرتے ہیں مثال کے لیے ۷۸۶ کو لیجئے۔ جنوبی افریقہ کے کسی مسلمان لڑکے سے پوچھ لیجئے۔ کہ ۷۸۶ کے کیا مطلب ہیں۔ وہ بلا روک فوراً جواب دیگا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جس کا مطلب ہے اللہ رحمن و رحیم کے نام۔ ایسا کیوں ہے اس کے لیے ایک تفصیل کی ضرورت ہے۔ مختصراً قصہ یہ ہے۔ کہ عرب اور عبرانی ابجد کو ایک عددی قیمت دی گئی ہے۔ اگر بسم اللہ کے ہر حرف ابجد کو عددی قیمت دی جائے۔ تو حاصل جمع ۷۸۶ ہوتا ہے۔ اس لیے ۷۸۶ بسم اللہ کا مخفف یا اس کا فارمولا ہو گیا۔

افریقہ میں بڑی دیو قامت تعمیرات کے کمروں کو جب نمبر دیتے جاتے ہیں تو ۱۲ نمبر کے بعد ۱۳ نمبر نہیں دیا جاتا ہے۔ بلکہ 12A اور پھر ۱۴ لکھا جاتا ہے۔ 12A کیوں لکھا جاتا ہے اور ۱۳ کو کیوں حذف کیا جاتا ہے۔ کیا انھیں ۱۳ لکھنا نہیں آتا ایسی بات نہیں۔ وجہ یہ بتلائی جاتی ہے۔ کہ کچھ لوگ وہم کا شکار ہیں

اور ایسے کمرہ میں رہنے کو تیار نہیں جس کا نمبر ۱۳ ہو۔ وہ ۱۳ کے بدشگون ہونے کے قائل ہیں اور اگر جمعہ کو ۱۳ تاریخ واقع ہو جائے۔ تو اس دن کو دوسرا منحوس دن تصور کیا جاتا ہے۔ پھر ہمارے ہاں "تھرڈ ڈگری" کی اصطلاح ہے جس کا مطلب سوائے جسمانی اذیت کے اور کچھ نہیں۔ آپ کسی منجم سے پوچھ لیں کہ ۶۶۶ کا مطلب کیا ہے۔ تو وہ بتائے گا۔ کہ یہ حیوان کی نشانی ہے۔ اس نے یہ تصور بائبل سے حاصل کیا ہے۔ ہندوپاک میں آپ برے کردار، جیب کترے، فریبی اور عام چور کے لیے بس ۴۲۰ کہہ دیں۔ تو کافی ہے۔ کیونکہ ایسے تمام جرائم ہندوستانی قانون کی دفعہ ۴۲۰ کے تحت آتے ہیں۔ ایسے ہی دنیا کی زبانوں میں اعداد ہیں جن کی عددی قیمت کے علاوہ بھی کچھ اور قیمت دی گئی ہے۔ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کہ ۱۴۰۰ سال مسلمان آیت علیہا تسعۃ عشر کو دہراتے رہتے ہیں۔ لیکن اس کو کوئی ذیلی معنی نہیں پہنائے گئے ہیں۔ قرآن کا یہ انیس کا عدد انیس ہی رہا ہے اور اب بھی انیس ہے۔

چونکہ یہ عدد اس جواب میں دیا گیا تھا۔ کہ "محمدؐ کتاب کو تصنیف کرتے ہیں" اللہ تعالیٰ کو جو کتاب کو نازل کرنے والی ہے یہ حقیقت معلوم ہے۔ کہ ۱۹ سامنے لانے سے اصل مقصد کیا ہے۔ اگر قرآن حضور کی بنائی ہوئی کتاب ہوتی۔ تو لازماً وہ بھی جانتے۔ کہ ۱۹ کا اس میں مطلب اور مقصد کیا ہے۔

ہمیں بلاشک یقین ہے۔ کہ قرآن کلام اللہ ہے جس کو محمدؐ پیش کر چکے ہیں۔ یہی حضورؐ کا دعویٰ تھا۔ اور قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے:۔

وما ینطق عن الھویٰ ان   وہ (محمدؐ) اپنے ارادہ سے نہیں بولتے یہ

ھو الا وحی یوحیٰ علمہ شدید القویٰ	صرف وحی ہے۔ جو اس کی طرف بھیجی جاتی ہے۔ اس کو ایک قوت کی مالک ذات سکھا رہی ہے۔

(53 - 3:5)

اور حضورؐ سے لوگوں کو بار بار کہلوایا گیا ہے:۔

قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الیّ انما الٰھکم اللہ واحد	کہہ دو میں تمہاری طرح ایک بشر ہوں لیکن مجھ پر خدا کی طرف سے وحی آئی ہوئی ہے کہ تمہارا الٰہ واحد ہے۔

(18 - 110)

یہ مانتے ہوئے اور اس پر یقین رکھتے ہوئے کہ حضورؐ نے قرآن کو نہ لکھا نہ بنا ڈالا۔ بلکہ اس کا ہر لفظ کلامِ خدا ہے۔ اگر ہم ایک لمحہ کے لیے دلیل پیش کرنے کی وجہ سے مخالفین کے اعتراض اور تہمت کو قبول کریں تو ہم آسانی سے قرآن کو کائنات میں ایک خاص معجزہ آسانی سے ثابت کر لیں گے۔ اور دکھا دیں گے۔ کہ آدمی کے لیے یہ بالکل غیر ممکن ہے۔ کہ وہ اس کے تیار کرنے کا تصور بھی کرے۔ بنا ڈالنے کی بات تو دور کی بات ہے۔

قرآنی وحی کی تاریخی ترتیب سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آیت ۳۰ علیہا تسعۃ عشر (مدثر) جبریل نے چوتھی دفعہ وحی لاتے ہوتے آخری آیت کے طور پر وحی کی تھی۔ ۲۶ مزید آیتیں دے دی جاتیں تو اسی وقت سورۃ کی تکمیل ہو جاتی۔ مگر اس وقت اس پہلی وحی میں لائی ہوئی سورت العلق کی بقیہ آیتیں دی گئیں۔ یہ ۱۴ آیات مل کر کل ۱۹ آیتیں بن جاتی ہیں۔ اور

یہ کس طرح ممکن ہو جاتا ہے کہ علیھا تسعۃ عشر کے گھنٹے ہی ۱۹ آیات والی ایک سورت وحی میں مکمل فرمائی جاتی ہے۔ منکر شاید جواب دے۔ کہ بس یہ ایک اتفاق ہے اور کچھ نہیں۔ اور اتفاقات واقع ہو جاتے ہیں۔ ہمیں اس سے انکار نہیں۔

لیکن کیا آپ کو علم ہے کہ پہلی وحی کی آیات کے کتنے الفاظ ہیں؟ وہ بھی انیس ہیں۔ یہ ۱۹×۱ کا معاملہ کیسے پیدا ہو گیا؟ آپ پھر کہہ دیں گے۔ اتفاق کی بات ہے مگر ان انیس الفاظ میں ۷۶ حروف بھی ہیں اور ۷۶ کے اجزائے ضربی ۴×۱۹ ہیں۔ یہ کیسے ہو سکا کیا یہ بھی اتفاق ہے؟ اگر ہم ۱۱۴ سورت سے ۹۶ صورت کی جانب گنتی کریں تو ہم ۹۶ سورت یعنی مدثر کو ۱۹ ویں سورت پاتے ہیں۔ کیا یہ بھی اتفاق ہے؟ آخری سرے سے مدثر ۱۹ ویں سورت کیوں؟ اتفاق کے بغیر کوئی وجہ آپ بتا نہیں سکتے۔

کتاب تصنیف کرنے والے مصنف کے لیے اولین ضرورت یہ ہے۔ کہ اپنے دماغ میں اس کا خاکہ بنائے۔ ایک آدمی کے لیے یہ ناممکن ہے۔ کہ وہ بیس سال سے زیادہ عرصے کے لیے کچھ بناتا رہے۔ اور پھر اسے ایک کتاب کی صورت دے اگر محمدؐ لکھ سکتے تو ان کے لیے ضروری ہو جاتا۔ کہ وہ اپنے لیے ایک اسکیم مرتب کرتے۔ جس کے تحت وہ کسی دوسرے مصنف کی طرح کام کرتے۔ اور یہ فرض کیا جا سکتا ہے۔ کہ وہ اپنے آپ سے کہتے۔ کہ مجھے ایک کتاب تیار کرنی ہے۔ ایک بڑی کتاب۔ اس میں مجھے ۲۳ برس صرف ہوں گے مجھے اس کتاب کے ابواب متعین کرنے ہوں گے۔ تا کہ اس کے

آسانی سے مطالعہ کرنے میں میرے ساتھی مشکل سے بچے رہیں۔ یہ بھی فرض کریں کہ انھوں نے کتاب کے ۱۱۴ حصے مقرر کیے۔ نہ یہ ایک سو تیرہ تھے نہ ایک سو پندرہ صرف ۱۱۴ کیونکہ ۱۱۴ کا عدد انیس کا حاصل ضربی ہے۔ (۱۹×۶)۔
کیا اس نے کہا نہیں کہ میں تم پر انیس مسلط کروں گا، کسی کے مقابلے میں بھی مسلط کرونگا جو قرآن کو تصنیف بنائیگا۔ اور اس کو تمہاری تصنیف بتادے گا۔ اور یہ کیوں کر ایسا ہوا کہ قرآن کی ۱۱۴ یعنی (۱۹×۶) سورتیں ہی مقرر ہوئیں۔ ان سوالات کے جواب میں متعصب اور کٹھ حجت وہی "اتفاق" کا لفظ دہرائے گا۔ شاید اس کے ذخیرہ الفاظ میں کوئی اور لفظ ہی نہیں۔ جس کو وہ اس عمل کے ظاہر کرنے کے لیے استعمال کرے اور یقیناً اس کے پاس ایسا کوئی لفظ ہے نہیں۔ یہ انسان کی کمزوری ہے۔ کہ جب وہ کسی واقعہ کی وجوہات کو بتا نہیں سکتا۔ تو پھر ایک لفظ گھڑ کر خود اپنے آپ کو اس دھوکہ میں مبتلا کر لیتا ہے۔ کہ اس نے مسئلہ حل کر لیا ہے۔ بس وہ ایک لفظ کا سہارا لیتا ہے۔ منکر یہ جھوٹ تیار کرنے میں تیز ہے۔ کہ حضورؐ نے قرآن کو تصنیف کیا۔ لیکن وہ یہ ماننے کے لیے تیار نہیں۔ کہ ۱۴۰۰ سال پیشتر صحرا کا یہ امی بغیر قلم اور کاغذ کے یہ کتاب تیار کرنے میں ریاضی کی ایک ترتیب کو پوری طرح اپنا چکا ہے۔

اتفاق کا سہارا ہم نے ۵ بار لے لیا۔ کیونکہ منکر انکاری ہے کہ محمدؐ اس غیر ممکن کو ممکن بنا سکتے ہیں۔ چلیے ہم منکر کی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں۔ ہم مخالفین کا ساتھ دے کر کہہ دیتے ہیں۔ کہ اس ریاضی کی بنیاد پر محمدؐ کو قرآن کا مصنف نہیں مانا جا سکتا۔ ہم اس مسئلہ پر اس لیے زور دے رہے ہیں کہ

مخالفین ایک جھوٹ تو تراشتے ہیں۔ مگر اس کا ساتھ دینے میں ناکام ہیں۔ دشمن اور دوست دونوں کو اقرار ہے۔ کہ حضور لفظ کے پکے تھے۔ نبوت سے بہت پہلے ان کے کافر ملکی باشندوں نے ان کو صادق الامین کا خطاب دے دیا تھا۔ یعنی وہ انھیں ایفائے عہد کرنے والا، دیانت دار، قابل بھروسہ اور سچا آدمی مانتے تھے اگر اسی ذات پُر صفات نے کہہ دیا "علیھا تسعۃ عشر" یعنی کہ تم لوگوں کو ۱۹ کے پاس اقرار کرنا ہوگا۔ تم پر ۱۹ مسلط ہوں گے۔ تو وہ ضرور اپنی اس دھمکی کو پورا کرے گا۔ آیئے دیکھیں کہ حضور[ص] اپنے اس وعدہ کو کہاں تک نباہ چکے ہیں۔

فرض کریں۔ کہ آنحضور[ص] نے خواہش کی۔ کہ ان کی کتاب بے مثال کتاب ہو۔ نہ ایسی کتاب لکھی گئی ہو نہ لکھی جا سکے۔ یہ کتاب ریاضی پر تیار ہو ایک ایسا ریاضی کا پیچیدہ عمل ہو کہ کتاب کسی بھی تحریف سے محفوظ رہے کوئی آدمی اس میں حذف و اضافہ نہ کر سکے۔ اس میں کچھ گھٹا، بڑھا نہ سکے۔ اور یہ سارا پیچیدہ عمل ۱۹ کی بنیاد پر تیار ہو۔

۱۹ ہی کیوں؟ کیا اس لیے کہ اس عدد کے ساتھ آگے بڑھنا آسان ہے۔ نہیں بلکہ ۱۹ کا استعمال ریاضی میں نہایت مشکل ہے اس کے کوئی جزِ ضربی نہیں مثال کے لیے ۱۸ کی طرح اس کو ۲، ۳، ۶ اور ۹ سے تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ یا ۲۰ طرح ۲، ۴، ۵ اور ۱۰ سے تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ ۱۹ کا کوئی جزِ ضربی نہیں۔ یہ بنیادی عدد ہے۔ اور یہ ایک بے مثال عدد بھی ہے۔ کیونکہ اس کی ترکیب میں ایک (۱) سب سے چھوٹا عدد اور ۹ سب سے بڑا عدد شامل ہے۔ اس طرح یہ ہمارے ریاضی کا سب کچھ ہے۔ شاید حضور[ص] کو ۱۹ کا پہاڑہ معلوم تھا

جب کہ آئین سٹائین جیسا ریاضی دان سے بھی ۱۹ کے پہاڑہ کا عالم ہونا ممکن نہ تھا۔ ۱۹ کے پہاڑہ سے شاید حضورؐ لامحدود حد تک واقف تھے۔ ہم اسی بات سے آگے جا کر واقف ہوں گے اگر ہم (منکرین کی) اس بات پر بضد رہیں کہ قرآن حضورؐ کی تصنیف ہے۔

باب ۶

تعجب خیز اعداد و شمار اور صد یاں

اس کتاب کو بے مثال بنانے کے لیے ضروری ہے۔ کہ "اس کا پہلا جملہ ہی ۱۹ حروف تہجی پر مشتمل ہو" فرض کیا جائے گا کہ حضورؐ نے ایسا سوچا ہو گا۔ اور دنیائے حقیقت میں اس کے سوا اور کس طریقہ سے اس بات کو حاصل کیا جائے کہ بار بار کوشش کر کے بار بار اس کو غلط پا کر درست کرنے کی تکلیف برداشت کی جائے۔ ہم اور آپ اپنی کسی کتاب کو اس طرح کی ابتدا کرنے کے لیے تیار ہو جائیں تو ہمیں پہلے اپنے دماغ میں ابھرنے جملوں کا جائزہ لینا ہو گا۔ اپنی مثال پیش کرتے ہوئے میں آپ کو کہہ دوں گا کہ جب میں نے ایک دفعہ ایسی کوشش کی۔ تو میرے دماغ میں پہلا جملہ جو آیا یہ تھا:۔ "تیز بھوری لومڑی مست کتے پر لپک جاتی ہے" میں حروف تہجی گن لئے اور افسوس کے ساتھ لکھتا ہوں کہ وہ ۳۵ تھے۔ یعنی کافی زیادہ۔

لیجئے۔ "امانت داری سب سے بہتر پالیسی ہے" اس میں تین حروف زیادہ نکلے۔ چلیئے "ایک دفعہ کا ذکر ہے" اور "بابا کالے بھیڑ" لکھنے اور حروف گننے کا عمل جاری رہے گا اس کے بغیر کوئی اور چارۂ کار نہ ہو گا۔ ایسا کرنے کے لیے ہم تم اپنے اپنے خیالات کے مختلف وجوہ بتا دیں گے۔ جو ہم تم باطل منطق سے جوڑ دیں گے۔ لیکن نتیجہ کچھ نہیں ہو گا۔ شاید ہم عمر بھر میں ایک

ایسے جملے سے دوچار نہ ہو سکیں جس کے حروف تہجی ۱۹ ہوں۔ تاکہ اپنی کتاب کی آپ ابتدا کر سکیں۔ لیکن ہمارے مصنف محمدؐ نے بالکل نشان پر تیر مارا۔ وہ ایک عبقری ذات تھی۔ اس نے کتاب کی ابتدا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سے کر دی یعنی خدا کے نام سے جو رحمٰن الرحیم ہے اب اس جملہ کے حروف تہجی شمار کیجئے۔ وہ برابر انیس ہیں۔ آگے بڑھنے سے پہلے دیکھ لیجئے۔

ب	س	م	ا	ل	ل	ہ	ا	ل	ر	ح	م	ن	ا	ل	ر	ح	ی	م
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶	۱۷	۱۸	۱۹

علیہا تسعۃ عشر

یہ کیسے ہوا؟ ہمارا مادہ پرست مشکک دوست کہہ دے گا۔ بس اتفاق کی بات ہے۔ ہم نے اب تک ۵ بار منکرین کے اتفاق پر اتفاق کیا ہے۔ مگر اس وقت تو ہم کہہ دیں گے کہ محمدؐ کہہ چکے ہیں۔ علیہا تسعۃ عشر" ۱۹ تم پر مسلط ہوں گے۔ تمہیں ۱۹ کے سامنے جواب دہی کرنی ہے منکر کا اقرار ہے۔ کہ انھوں نے ایسا کہا ہے۔ لیکن وہ ساتھ ہی جوڑتا ہے۔ کہ محمدؐ اس طرح کے لفظی تہدید پر آنے کا تو عزم نہیں رکھتے تھے۔

فرض کریں۔ کہ حضورؐ نے اپنے آپ سے پھر فرمایا۔ کہ کتاب کو ۱۹ حروف تہجی والے جملہ سے شروع کرنا تو آسان تھا۔ میں اب یہ دیکھوں گا۔ کہ اس جملہ کا ہر لفظ میری کتاب میں اتنی بار آجائے۔ کہ ہر لفظ کی وہ تعداد ۱۹ کا کوئی جزء ضربی ہو۔ یہ تصدیق کرنے کے لیے کہ آیا ہمارا مصنف ایسا کرنے میں

کامیاب ہوا۔ ہم قرآن میں ان الفاظ کو گننے کی مشکلات کو موجودہ زمانے میں کمپیوٹر کی خدمات سے آسان بنا سکتے ہیں۔ کمپیوٹر جو اعداد و شمار ہمیں مہیا کرتا ہے۔ وہ یہ ہیں :۔

اسم	19	(1×19)
اللہ	2698	(142 ×19)
الرحمٰن	57	(3 × 19)
الرحیم	114	(6 × 19)

علیہا تسعۃ عشر

اسم کے معنی ہیں نام۔ یہ انیس دفعہ قرآن میں آیا ہے۔ اور کیوں؟ منکر کہیگا اتفاق۔ ہمارے اتفاقات کی فہرست میں یہ دوسرا اتفاق ہے۔ ہم کمپیوٹر سے لفظ اللہ کی تعداد قرآن میں دریافت کرتے ہیں تو ۲۶۹۸ آتا ہے اور ۲۶۹۸ = ۱۹×۱۴۲ کے۔ ایسا کیوں کر ہوا۔ اتفاق! لیکن آپ دیکھنا شروع کریں۔ کہ یہ ناممکن ہے کہ اتفاق ہی اتفاق ہو۔ الرحمٰن کے لیے جواب ۱۹×۳ اور الرحیم کے لیے ۱۹×۶ ہے۔ یہ سب اتفاق نہیں ہو سکتا۔ آپ کا اتفاق اتفاق کہنا اب قابل یقین نہیں۔ ایسا ہونا صرف معجزہ ہے۔ یہ کسی انسانی عقل مندی اور عبقریت کا نتیجہ نہیں۔ یہ کسی سے کیا خود حضورؐ سے بھی یوں نہیں ہو سکتا۔

الرحیم ۱۱۴ مرتبہ آیا ہے۔ اور قرآن کی صورتوں کی تعداد بھی ۱۱۴ ہے۔ محمدؐ امی ہوتے ہوئے یہ سب کچھ کہاں کر سکتے۔ ان کے پاس نہ قلم نہ کاغذ،

نہ کمپیوٹر اور نہ کل کولیٹر۔ (CALCULATAR)

خدا کی کتاب کے خدا کی طرف سے تصدیق کا ایک ثبوت بھی چاہیے۔ ہر سرکاری کاغذ پہ سرکار کی مہر لگتی ہے۔ پروانہ عدالت ہو یا مقدمہ کا نوشتہ یا فیصلہ عدالت عالیہ ان پر مہر لگی ہوتی ہے۔ یا پسپورٹ کے معاملے میں بھی یہی درست ہے۔ کہ وہاں ایسی مہر لگتی ہے۔ جس کو اور کوئی کسی طرح استعمال نہیں کر سکتا قرآن کے لیے بھی خدا کے حضور سے ایسی مہر درکار ہے اور وہ ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ ۱۱۴ سورتوں کے لیے ۱۱۴ مہریں مطلوب ہے۔ اور ہر سورت کے شروع میں یہ مہر کسی بھی طرح کے خط میں لگی ہوئی ہے۔ مگر یہ مہر سورت نمبر ۹ میں کس وجہ سے شروع میں نظر نہیں آتی۔ کیوں ۔ اس طرح ایک مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ کہ سورتیں تو ۱۱۴ ہیں مگر ان پر صرف ۱۱۳ مہریں لگی ہوئی ہیں اور ۱۱۳ میں انیس کے اجزاء ضربی موجود ہی نہیں۔ اور مصنف کا قول ہے۔ کہ تمہیں انیس کو مان لینا ہو گا۔ تو پھر سورت نمبر ۹ کے شروع میں اس مہر کے موجود نہ ہونے کے کیا وجوہات ہیں ۔ اور اس کمی کو کس طرح پورا کیا گیا ہے۔

سورہ برأت کو بسم اللہ کے بغیر لکھا گیا ہے۔ اور اس کی اولین تین آیات یہ ہیں :۔

براءۃ من اللہ و رسولہ الی	خدا اور رسول کی طرف سے برارت کا
الذین عاھدتم من المشرکین	ایک اعلان ان مشرکین کی طرف جن کے
فسیحوا فی الارض اربعۃ	ساتھ تم نے باہم دگر معاہدے کئے ہیں

اشھر واعلموا انکم غیر معجزی اللہ وان اللہ مخزی الکافرین واذان من اللہ ورسولہ الی الناس یوم الحج الاکبر ان اللہ بری من المشرکین ورسولہ فان تبتم فھو خیر لکم وان تولیتم فاعلموا انکم غیر معجزی اللہ وبشر الذین کفر وابعذاب الیم

تمہیں اجازت ہے۔ کہ ملک کا آگے پیچھے گھوم پھرو چار مہینہ تک اور جان لو کہ تم لوگ خدا کو عاجز نہیں کر سکتے اور اللہ منکروں کو شرمندہ کرے گا حج اکبر میں جمع ہوئے لوگوں کے لیے خدا اور رسول کا اعلان ہے۔ کہ مشرکوں کے معاہدوں کو ختم کیا جاتا ہے۔ تم توبہ کرو تو تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر بے رخی برتو۔ تو تم خدا کو عاجز نہیں کر سکتے۔ ان لوگوں کے لیے جو منکر ہیں ایک دردناک عذاب کی بشارت دی جائے۔

جمالیات کا جمال اور خوبی یہ ہے کہ مسئلہ پیدا ہو تو اس کو جمیل انداز میں حل کر لیا جائے۔ یہ اس کا عام اصول ہے۔ خواہ آبی مسئلہ ہو یا ہوائی، زمینی یا ریاضی کا مسئلہ ہو۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ وہ برأت میں مسئلہ کیسے پیدا ہو گیا؟ اس سورت کا نام ہی سورہ توبہ ہے۔ اس میں مشرکین کے لیے تنبیہ ہے۔ کیونکہ انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ جس معاہدہ میں اپنے آپ کو باندھا تھا۔ اسے توڑ دیا ہے۔ تیسری آیت کے خاتمہ پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ ”اعلان کرو منکروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔“ وبشر الذین کفرو بعذاب الیم۔ جب مالک اس طرح کے خطرناک عذاب کی دھمکی دے

تو علماء کہتے ہیں۔ کہ موزوں نہیں۔ کہ پھر رحم اور مہربانی کے الفاظ سے کلام شروع ہو۔ نوع انسانی کے تعلقات میں یہ عام قاعدہ ہے کہ جب ایک جماعت قول و قرار اور معاہدہ سے پھر جائے۔ اس کو توڑ دے۔ تو وہ پارٹی جس کو ایسا کرنے سے زک پہنچا ہے۔ جواب میں نزاکتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے تنبیہ کرتی یا اعلا اعلانِ جنگ کیا کرتی ہے۔ ایسے معاملات میں یوں نہیں شروع کیا جاتا

"صاحب میں نہایت رحم دل ہوں، وسیع الظرف اور بردبار ہوں.......
لیکن میں آپ کی گردن توڑ دوں گا اگر......"

عذر تو نہایت معقول اور منطقی ہے۔ مگر ہمارا مسئلہ ۱۱۴ سورتیں اور صرف ۱۱۳ مہریں کیوں۔ یہ مسئلہ پھر بھی حل طلب ہے۔ ہم ایک مہر کم ہونے سے مجبور ہیں اور حکیم ازل حضرت اللہ جل ذکرہٗ جو کتاب کا مصنف ہے۔ نہ کہ حضورؐ سے یہ امر پوشیدہ نہ تھا۔ وہ حکیم خود مسئلہ کا موزوں حل پیش کرتا۔ ایک ایسے عظیم ریاضی داں کی طرح جو مسئلہ بنا کر حیران کن طریقہ پر حل بھی کر لیتا ہے۔

باب ۷

مصنف کوئی انسان نہ تھا

قرآن کے پارہ ۲۷ سورہ نمل کی آیت ۲۹ میں حضرت سلیمانؑ اور بلقیس ملکہ سبا کے واقعہ کے مناسب انداز میں پیش کرنے کی ابتدار کی گئی ہے۔ حضرت سلیمان صرف دنیائے عقل پر ہی دسترس نہ رکھتے تھے بلکہ وہ پیغمبر بھی تھے۔ اس کی سلطنت کے قریب سبا کا ملک تھا جس پر بلقیس حکمراں تھی۔ بلقیس کریم النفس تھی۔ اس کا ملک مہذب تھا۔ لیکن وہ اور ملک کی آبادی شرک میں مبتلا تھی، وہ سورج کے پرستار تھے۔ حضرت سلیمان ملکہ کے نام اس کی اور اس رعایا کی خیر خواہی کے لیے ایک خط تحریر کرتے ہیں۔ وہ خط وصول کرتی ہے اور اس کے ساتھ اکرام سے پیش آتی ہے۔ بلکہ وہ چاہتی ہے۔ کہ اپنے مشیروں سے سلیمانؑ کی دعوت کو قبول کرنے کا جواب ان کی اپنی اقرار ہو۔ وہ خود خدا کے پیغام پر ایمان لائیں۔ وہ اپنے قوم کی نفسیات سے واقف ہو کر ایسا ہی طرز عمل اختیار کرنا چاہتی ہے۔ وہ جانتی ہے۔ کہ اگر اس کے وزیر و امیر ایک دفعہ دعوت کے منکر ہوئے۔ تو ان کو پھر اس کا اقرار کرانا اس کے لیے نہایت مشکل ہوگا۔ وہ دربار لگاتی ہے۔ اپنے امرار و وزرار کو بلا کر ان کے مخاطب ہو کر کہتی ہے:-

"میرے معززین۔ یہ مجھے ایک معتبر خط ملا ہے"۔

"یہ سلیمانؑ سے آیا ہے۔ اور اس میں یوں درج ہے۔" خدا کے

نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے۔ ہمارے مقابلے میں کبریائی دکھائے بغیر خدا کی دعوت کے سامنے ہماری اطاعت قبول کرو" (27-29-31)

ہمارا مصنف کتاب اپنی بہترین حکمت سے ۱۱۴ مہروں کی تعداد اس اہم مقام پر بسم اللہ داخل کرنے سے پورا کرتا ہے۔ قرآن شریف کے الفاظ یہ ہیں:۔

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ

اس نے کہا میرے معززین یہ مجھے ایک پروقار خط ملا ہے۔ یہ سلیمان کا ہے اور یہ خدا کے نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے شروع ہے۔ لکھا ہے۔ کہ ہمارے مقابلے میں بڑائی مت ظاہر کرو اور خدا کی تابع فرمان ہو کر میری اطاعت قبول کر

اس طرح آیت تیس کی بسم اللہ ملا کر مکمل نقشہ یہ بنتا ہے:۔

کل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۱۱۴ بسم ۱۹ اللہ ۲۶۹۸ الرحمٰن ۵۷ الرحیم ۱۱۴

علیہا تسعۃ عشر

ان آیات میں جو اوپر درج کی گئیں۔ بسم اللہ کی تعداد ۱۱۴ تک لے جانے کی تکمیل کرنے کے علاوہ مندرجہ ذیل باتیں بھی مصنف نے یہیں پوری کردی ہیں:۔

۱۔ یہاں ایک سبق سکھایا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ حاکمان ارضی متکبر اور مغرور نہ ہوں۔ حاکم ہونے ہوئے بھی ان کو معاملات باہم دگر مشوروں سے سلجھانے چاہییں۔ اور انھیں اپنے ماتحت عملہ کو نفسیاتی طور پر دعوت یا

پیغام قبول کرنے پر تیار کرنا چاہیئے۔

۲۔ جب تم تحریر کرو۔ تو ایسے تحریر کرو۔ خدائے رحمان و رحیم کے نام سے جو سمیع و بصیر ہے اور ظاہر و باطن سے واقف ہے۔

۳۔ کسی بھی حکمران سے کسی بھی حکمران کو لکھا جائے۔ اور تحریر کرنے والا کتنا بھی طاقتور کیوں نہ ہو اور پیغام کتنا پاک و پاکیزہ کیوں نہ ہو اسے نہایت نرمی سے خدا کو حاضر سمجھ کر لکھا جانا چاہیے۔

اگر یہ بسم اللہ اس آیت کے درمیان نہ آتا تو ہم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ہر لفظ کو قرآن میں ایک عدد کم پاتے۔ یعنی بسم ایک کم ہوتا اللہ کی مندرج تعداد میں ایک کی کمی ہوتی اور یہی حال الرحمٰن اور الرحیم کے الفاظ کا ہوتا۔ اور پھر سورہ توبہ بسم اللہ کی مہر سے خالی ہی رہتا کیونکہ پورے قرآن میں یہ جملہ ۱۱۳ دفعہ موجود رہتا نہ کہ ۱۱۴ بار۔

کیا تمہارے گمان میں یہ بات آ سکتی ہے کہ ایک صحرا نشین جو اب سے ۱۴۰۰ سال پہلے عرب میں بغیر تعلیم اور بغیر کاغذ اور قلم کے ۲۳ سال کے لیے یہ ریکارڈ اپنے سر شریف میں محفوظ رکھ سکتا تھا۔ کہ اللہ کے لفظ کی تعداد کیا ہوئی۔ جب کہ ہمیں ان کے دوسرے مشاغل سے پوری واقفیت ہے۔ اور پھر آخر کار فرصت کے وقت میں کیسے انھیں اچانک معلوم ہوا کہ ۲۶۹۸ کی پوری تقسیم ۱۹ پر ہو سکتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اگر محمدؐ عمر بھر بھی بس یہی کام کرتے اور کچھ اور کام بالکل نہ کرتے اور ان کا سارا وقت اسی ریاضی کے مسئلہ کو حل کرنے میں گزر جاتا۔ تو شاید ___ مگر حال یہ ہے۔ کہ وہ عمر میں سب سے

زیادہ مشغول صاحب ہیں اور تاریخ ان کے اس حال پر شاہد ہے۔ دیکھئے لامارٹن نے ان کی مشغول زندگی کو کن الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

(باب ۴ ملاحظہ ہو) اس کے ہم عصر باشندگان ملک تو ان کی اصلاحات کا ڈٹ کر مقابلہ کر رہے تھے۔ یہودی، عیسائی اور مدینہ کے منافق تو ان کے دین کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے پر قسم کھائے ہوئے تھے۔ مشغولیت کی اس انتہا کے باوجود کیا اس کے پاس حساب و کتاب کو مکمل رکھنے کے لیے فرصت تھی؟ کیا جو کچھ ثابت کیا گیا۔ یہ سب اتفاقات تھے؟ تمہارے سوچ کا بھی کیا انداز ہے۔

اب تک تو ہم محمد رسول اللہ[۱۴] کے ریاضی سے بھرپور عظیم اور تعجب خیز امور کو بالکل سطحی طور پر چھیڑا ہے۔ اس کی کتاب۔" اس کی بنائی ہوئی کتاب" جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ کئی پہلوؤں سے ایک بے مثال کتاب ہے۔ میں بحیثیت ایک عام آدمی کی اس بے مثال کتاب کی شان میں کئی مثالیں پیش کر سکتا ہوں اور جو عالم ہوں۔ وہ کتنا کچھ پیش کریں۔ وہ بہت زیادہ ہوگا۔ چونکہ ہم کتاب کے ریاضی سے متعلق پہلو کو زیر غور لا رہے ہیں۔ چلیے اسی پہلو کو ذرا وسیع کریں۔

دنیا میں قرآن کریم ہی ایک کتاب ہے جس کی کئی سورتیں مختصر حروف سے شروع ہوتی ہیں۔ یہ مخفف ہیں۔ حرفی نشانات ہیں ان کو مقطعات کہا جاتا ہے۔ ظاہراً ان مقطعات کے معنی واضح نہیں ہیں۔

ان مقطعات میں عربی ابجد کے برابر نصف عدد حروف موجود ہیں۔

ان چودہ حروف تہجی کو چودہ مختلف ترتیبوں سے جوڑا گیا ہے۔ قرآن کی ۲۹ سورتوں میں ان ترتیب دے گئے جڑے ہوئے مقطعات کو استعمال کیا گیا ہے۔ اگر ہم ۱۴ استعمال شدہ حروف کو چودہ جوڑے ہوئے مقطعات کے ساتھ ملا کر ان میں ۲۹ سورتوں کی تعداد بھی جمع کر لیں۔ تو نقشہ یہ ہوتا ہے:۔

استعمال کیے گئے حروف تہجی	=	۱۴
مقطعات	=	۱۴
سورتیں جن میں استعمال ہوئے ہیں	=	۲۹
کل	=	۵۷

اور ۵۷ کو ۱۹ سے تقسیم کرو تو ۳ حاصل ہے یعنی ۵۷ = ۳ × ۱۹
یہ کیسے ممکن ہوا۔ آپ کہہ دیں گے پھر وہی "اتفاق" آخر کب تک آپ اس اتفاق کا سہارا لیں گے۔

عربی کی ابجد سے تو آپ واقف ہی ہیں۔ مقطعات میں جو حروف تہجی استعمال کیے گئے ہیں۔ وہ ۱۴ ہیں:۔

ا، ل، م، ر، ك، ھ، ی، ع، ص، ط، س، ق، ن، ح

جوڑ کر جو مقطعات بنے ہیں۔ اور جن کو قرآن نے استعمال کیا ہے۔ وہ بھی ۱۴ ہیں:۔

الٓمٓ۔ حٰمٓ۔ الٓرٰ۔ الٓمٓرٰ۔ طٰسٓ۔ طٰسٓمٓ
یٰسٓ۔ کٓھٰیٰعٓصٓ۔ الٓمٓصٓ۔ صٓ۔ قٓ۔ حٰمٓ عٓسٓقٓ

نٓ - طٰہٰ

الٓمٓ کو سورۃ ۲، ۳، ۲۹، ۳۰، ۳۱ اور ۳۲ - میں اور طٰہٰ
کو سورۃ ۲۰ - میں یٰسٓ کو سورۃ ۳۶ اور نٓ کو سورۃ ۶۸ میں قٓ کو
سورۃ ۵۰ طٰسٓمٓ کو ۲۶، ۲۷، اور سورۃ ۲۸ - میں حٰمٓ کو سورۃ
۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، اور ۴۶ - میں الٓرا کو ۱۰، ۱۱،
۱۲، ۱۳، ۱۴، اور ۱۵ میں صٓ کو سورہ ۳۸ میں المٓصٓ کو ۷
میں کھیعص کو سورہ ۱۹ میں الٓمٓرا اور حمٓ عسق کو سورہ ۱۳
اور ۴۲ میں استعمال کیا گیا ہے۔ عملاً نقشہ یوں بنتا ہے:-

۱۴ حروف تہجی

ا	ل	م	ر	ک
ھ	ی	ع	ص	ط
س	ق	ن	ح	

۱۴ مقطعات

الٓمٓ	حٰمٓ	الٓرا	الٓمٓرا
طٰسٓ	طٰسٓمٓ	یٰسٓ	نٓ
کھیعص	المٓصٓ	صٓ	
قٓ	عٓسٓقٓ	طٰہٰ	

۲۹ سورتیں

۱۴	۱۳	۱۲	۱۱	۱۰	۷	۳	۲	–
–	۳۰	۲۹	۲۸	۲۷	۲۶	۲۰	۱۹	۱۵
–	۴۳	۴۲	۴۱	۴۰	۳۸	۳۶	۳۲	۳۱
۴۴	۴۵	۴۶	۵۰	۶۸	–	–	–	–

۳ x ۱۹ = ۵۷ کل

علیھا تسعۃ عشر

ہم مقطعات پر نظر ڈالیں۔ تو ہم دیکھیں گے۔ کہ یہاں ان ۱۴ میں کچھ ایک، کچھ دو، کچھ تین، کچھ چار اور کچھ پانچ حروف تہجی سے مل کر بنے ہیں۔

ہم ایک حرف والی سورتوں میں سے آسانی سے ۶۸ ویں سورت کا انتخاب کر سکتے ہیں۔ وحی ہونے کے لحاظ سے یہ صورت مقطعات والی سورتوں میں پہلی سورت ہے اور ترتیب کے لحاظ سے اس کا نمبر ۶۸ ہے۔

یہ سورۂ القلم ہے۔ اور صرف "ن" سے شروع ہوتی ہے۔ اس حرفِ "نون" کی عالمانہ توجیہ آپ دیکھنا چاہتے ہوں تو عبداللہ یوسف علی صاحب کے انگریزی ترجمہ کا نوٹ نمبر ۵۵۹۲ دیکھیے۔ مگر چونکہ ہم نے انیس کے عدد کو قرآن کے معجزانہ انداز کے کھولنے کے لیے ایک قابلِ عمل کلید پایا ہے۔ اس لیے ہم حرف "ن" کو اگر سورہ القلم میں گن لیں۔ تو کچھ دشوار نہیں۔......

COMUTER بھی استعمال ہو سکتا ہے اور عملاً گننا ہی شروع کریں تو بس پانچ منٹ کا کام ہے۔ کل تعداد ۱۳۳ ہے اور اس کے اجزائے ضربی

۱۹ × ۷ ہوتے ہیں؟ کیوں آپ ہی بتلایئے۔ دوسری اور اور سورتیں ہیں۔ جن کو یک حرفی مقطعات ملے ہیں۔ یہ سورۂ قٓ اور سورۂ صٓ ہیں۔ سورہ قٓ تو اسی حرف "ق" سے شروع ہوتی ہے۔ مگر سورۂ الشعراء میں پنج حرفی مقطعات موجود ہے۔ اور یہ سورہ حمعسق سے شروع ہوتی ہے۔ "ق" یہاں ح، م، ع س کے بعد اخیر پر آتا ہے۔ اگر ہم پھر حروف کے عددی مجموعہ کو لیں۔ تو کل میزان ۵۷۰ ہوگی اور ۵۷۰ سے اجزاء ضربی ۳۰ × ۱۹ ہوں گے۔ کیوں آپ ہی بتایئے کہ ایسا کون کر سکا ہے۔ محمدؐ یا محمدؐ کا خدا

"ق" کے سورۂ ق کا بھی عنوان ہے۔ اس لیے "ق" کے لیے سورۂ ق پر بھی ریاضی کا بے لاگ حساب لگا کر دیکھیں۔ کہ وہاں کیا کیفیت ہے۔ بالکل حسابی معاملہ ہے۔ قابل سمجھ اور قابل قبول اگر کسی کو آنکھیں ہوں اور دماغ ہو۔ جو حقیقت کو دیکھ سکیں اور قبول کر سکیں۔ کوئی ایسا آدمی خواہ کوئی بھی ہو۔ اس معجزہ کو خود دیکھ سکتا ہے اور تصدیق کر سکتا ہے۔ کہ قرآن انسان کی تصنیف نہیں، بلکہ خدا کا کلام ہے۔

عربی نہ جاننے والے بھی ق کو عربی عبارت میں آسانی سے پہچان سکتے ہیں۔ "ق" پہچاننے کے لیے کوئی بڑی دشواری نہیں۔ ایک سرا اور اس پر دو نقطے "ق"۔ کسی اندازہ اور تاویل کی کوئی ضرورت نہیں۔ ق سورہ ق میں گن لیجئے۔ تو ۵۷ ہیں یعنی ۳ × ۱۹ اور حمعسق میں "ق" گن لیجئے۔ تو وہاں بھی ۵۷ یعنی ۳ × ۱۹

کیا انسان یا مشین ایسا کارنامہ انجام دے سکتے ہیں۔ ہم یہ سوال آگے

بڑھ کر برقی کمپیوٹر سے پوچھ لیں گے۔

ان دونوں سورتوں میں صرف "ق" کی تعداد ۱۱۴ ہے یعنی ۱۹x۶ اور یہ کہنا کہ 'ق' سے مطلب قران ہے۔ یہ صحیح اندازہ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ قرآن میں ۱۱۴ سورتیں ہیں۔ یعنی ہر سورت قرآن ہے۔ اور قران کے سوا کچھ نہیں۔ ۱۱۴ ق اور ایک سو چودہ سورتیں یہی ظاہر کر رہے ہوں تو عجب نہیں۔

ان دونوں سورتوں میں حروف "ق" گننے میں آپ کا کتنا وقت صرف ہوگا۔ چند منٹ کا معاملہ ہے۔ حافظ حضرات کو یعنی وہ جن کو سارا قرآن ازبر ہے۔ دماغی طور پر ہی زبانی دیکھنا چاہیے۔ کہ آیا وہ ان دو سورتوں میں حروف "ق" کی گنتی کر سکتے ہیں؟ اگر اس طرح آپ ایسا نہ کر سکیں۔ تو گن لیجئے۔ اس کوشش سے آپ کو کام کی نوعیت کا اندازہ ہوگا اور آپ اندازہ لگائیں گے۔ کہ اگر حضورؐ نے اس قسم کی گنتی کی ہوگی۔ تو انہیں ایسا کرنے میں اپنے فطری قوتوں کو ہی کام میں لانا تھا۔ وہ نہ لکھنا جانتے تھے اور پڑھنا (قرآن ۷: ۱۵۷)

ایک عبقری قسم کے ذہن کو یہ کام کرنے کے لیے کافی جدوجہد کی ضرورت ہوتی۔ مگر حقیقی مصنف کو ایسی جہد کی کیا ضرورت تھی۔ کوئی کہے کہ یہ عظیم اتفاق تھا یا یہ کہ ایسا اس لیے ہوا کہ کوئی روحانی قسم کا کمپیوٹر کام میں لگ گیا۔ اندازہ کیا جائے۔ کہ ق والی دو سورتوں کو مکمل کرنے کے بعد محمدؐ کے لیے یہ ضروری تھا۔ کہ وہ حروف ق کو گن لیتے اور دیکھ لیتے۔ کہ ان کا مجموعہ ۱۹ کا اجزائے ضربی ہے کہ نہیں۔ اگر ان میں فرض کیجئے۔ ایک زیادہ

زیادہ ہوتا تو ان کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ سورہ ق کا پہلا ہی "ق" اڑا دیتے اور ایک 'ق' سورہ حمعسق میں زیادہ ہو جاتا۔ تو ان کو مزید ۱۸ 'ق' تلاش کر کے موزوں مقامات پر لگانے ہوتے۔ یا آیات کا اضافہ کرنا پڑتا۔ مگر سورہ ق کا اولین ق کم ہوتے ہی حروف مقطعات کا وہ سارا حساب ختم ہو جاتا جس کی نشاندہی ہم نے کر لی ہے علیم و بصیر ذات حق کا علم ہی یہاں کارگر ہے۔ اگر گزشتہ چودہ صدیوں میں ایک ہی سورت قرآن ضائع ہوتی۔ تو یہ حساب باقی نہیں رہ سکتا تھا۔ یا اگر عربی حروف ہجی کے مقطعات میں ایک ہی حرف کا اضافہ ہوتا پھر بھی حساب کی یہ تشکل قائم نہ ہوتی۔ کہ مجموعے ۱۹ کے ہی اجزائے ضربی رہتے اور

علیہا تسعۃ عشر

کی شان قائم رہتی۔ پھر تو قرآن کا بھی وہی حال ہوتا۔ جو دوسری مذہبی کتابوں کا ہو چکا ہے یعنی اس کو بھی پھر سے مرتب کرنے یا REVISE کرنے کی ضرورت پڑتی۔ مگر مصنفِ حقیقی خدائے علیم و حکیم نے اپنا وعدہ برابر کر دیا ہے:۔

انا نحن نزلنا الذکر	بے شک ہم نے پیغام نازل کیا اور ہم
وانا لہ لحافظون	ضرور اس کی حفاظت کریں گے۔

(۹ : ۱۰۵)

بلا واسطہ نصف قرآن مقطعات کے اس پیچیدہ حساب میں زیر بحث آجاتا ہے۔ بالواسطہ مکمل کتاب کو اس طرح محفوظ کیا گیا ہے۔ اگر ۲۶۹۸

کی تعداد میں جو اسم ذات۔ اللہ موجود ہے. حساب کیا جائے۔ تو ہر ۲½ آیت میں ایک دفعہ اوسطاً۔ اللہ۔ آجاتا ہے۔ اگر اللہ کے نام پر بھی ایک جملہ کا اضافہ یا کمی قرآن شریف میں واقع ہو جائے تو اللہ کی اپنی حفاظتی تدبیر ہرگز باقی نہ رہتی (مگر زمانہ شاہد ہے کہ ایسا نہ ہوا اور انشاء اللہ نہ ہوگا اور قرآن خدا کا پاک کلام تحریف سے ہمیشہ پاک رہے گا)

باب ۸

"معجزہ یا حساب"

قرآن کی حفاظت کا یہ پیچ طریقۂ کار کیا اتفاقی حادثہ یا ہنگامی واقعاتی انطباق کے ذریعہ وجود میں آسکتا تھا۔ ایک بے شعور کمپیوٹر ایسے پراسلوب، پرحکمت اور پُرصداقت معجزہ کو وجود دے سکتا تھا؟ جیسا کہ ریونڈ باسورتھ سمتھ کا خیال ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ قرآن کا مصنف اپنے طریقۂ کار سے بہت علیحدہ ہو کر ہمیں دکھا رہا ہے کہ قرآن خوش قسمتی کا اتفاقیہ نتیجہ نہیں بلکہ ایک باشعور حکیمانہ دماغ اس کے تیار کرنے میں کارفرما رہا ہے۔ اور وہ ایسے راہ کے نشان اور اتے پتے ہمارے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ کہ ہم اس کارنامے میں اس کے عظیم ترین ہاتھ کو معلوم کریں۔

اگر کسی انسانی مصنف نے قرآن جیسی عظیم کتاب تیار کرنے کا عزم کرلیا ہوتا۔ تو اس نے کم ازکم اس غیر امکانی کام کو ہاتھ میں لینے سے ضرور پس و پیش کیا ہوتا۔ کیونکہ کام کی بلندی کا ساتھ وہ کیسے دے سکتا۔ خدائے قدیر ان عظیم مسائل کو جو حقیقی ہیں یا پیدا کردہ ہیں۔ ہمیں ان پر شاہد ٹھہرائے بغیر حل کر سکتا تھا۔ لیکن اس کا ارادہ ہے کہ اپنے اس باشعور کام کی طرف ہمیں متوجہ کرے۔ وہ ہمیں یہ دکھا رہا ہے کہ اگر ایک انسان ہی قران کا مصنف ہوتا۔ اور سب کچھ درست رہتے

ہوئے بھی اس کی تصنیف میں ایک "ق" کی زیادتی رہتی۔ وہ "ق" والی دو سورتوں میں ۱۱۴ ق نہیں پاتا۔ جیسے کہ ہم اس وقت پا رہے ہیں بلکہ وہاں ۱۱۵ ق ہوتے۔

اگر محمدؐ مصنف کتاب ہوتے۔ تو اس حالت میں ان کی مشکل کتنی بڑی مشکل ہوتی۔ انھیں تو سورتیں اپنے خیال میں ہی محفوظ کرنی تھیں۔ لکھنے کا سوال ہی نہ تھا۔ خیال میں تیار کرنے کے بعد ان کو یاد کرنا کی مشکل کو بھی پیش نظر رکھیں۔ جب کہ نہ لکھی ہوئی عبارت کو کبھی کسی کے سامنے پڑھا بھی نہ جائے کیونکہ جب بھی قرآن لکھایا گیا ہے محمدؐ نے کاتبوں کو سامنے اس کی آیتوں کو یکدم ہی لا ڈالا ایسے جیسے کہ وہ ایک تحریر کی ہوئی کتاب سے پڑھ رہے ہوں (۴۸ : ۲۹ قرآن) تلاوت سے معلوم ہوتا تھا۔ گویا یہ پہلے یاد کیے ہوئے جملے ہیں۔

ہم اگر ایک لمحہ کے لیے یہی "مفروضہ" درست مان لیں۔ کہ رسول اللہؐ نے "ق" اور حمعسق دو سورتیں تیار کر لیں۔ اور اس ناممکن الحصول امر کو حاصل کر لیا۔ اور پھر ان کے "ق" جمع کر کے یہ معلوم کیا۔ کہ ان میں تو ۱۱۴ "ق" کے بدلے ۱۱۵ "ق موجود ہیں۔ اور ۱۱۵ کو انیس سے تقسیم کرنے پر ایک ق باقی رہ جاتا ہے۔ اس لیے اس کو کم کرنا چاہیئے۔ تو آسان بات یہی ہوتی۔ کہ سورہ ق کے اولین ق کو ہی ہٹایا جاتا۔ مگر وہ ایسا اس لیے نہ کر سکتے۔ کہ یہی سورت کا عنوان ہے۔ اور اسلوب اور خوبی بیان اس کی اجازت نہیں دیتے۔ اس لیے وہ کسی دوسری جگہ پر ق کے کم

کر لینے کی سوچ لیتے۔ ان کے سامنے پھر اسی سورہ قٓ کے جملہ والقرآن المجید میں قٓ کا کم کرنا انھیں ممکن ہو جاتا۔ کیونکہ قرآن کا لفظ استعمال کرنے کی بجائے وہ الکتاب، الفرقان، البرہان، الذکر، التنزیل میں سے ایک موزوں لفظ لیتے۔ ایسا کرنا دانش مندی ہوتی۔ مگر ہمارا مصنف ہم پر یہ واضح کرنا چاہتا ہے کہ وہ اہمیت کلام کو درہم برہم دیکھنا نہیں چاہتا۔ وہ کمال کا پہلو بھی خراب کرنا نہیں چاہتا۔ اس لیے پوری سورت میں بالکل مناسب مقام پر ترکیب الفاظ کے حسن کو بگاڑے بغیر وہ یہ کام انجام دے دیتا ہے۔

"قوم لوط" کے الفاظ قرآن میں بارہ مقامات پر استعمال ہوئے ہیں۔ ۱۲ مقامات پر ان کو کہیں بدلا نہیں گیا ہے۔ اور دوسرے الفاظ ان کے بجائے مدعا کو ظاہر کرنے کے لیے نہیں لائے گئے ہیں۔ مگر سورہ قٓ کی مندرجہ ذیل آیت ہے۔ جہاں یہی کچھ عمل میں لا کر ایک "ق" کو کم کر کے ۵۷ کی تعداد کو برقرار رکھا گیا ہے۔ آیت یہ ہے:-

کذبت قبلھم قوم نوح واصحب الرس وثمود
وعاد وفرعون واخوان لوط واصحب الایکۃ
وقوم تبع ط کل کذب الرسل فحق وعید

اس تیرھویں آیت میں ۵ عدد "ق" ہوتے مگر وہ ان میں سے ایک کو چھوڑنا چاہتا ہے۔ تاکہ تعداد ۵۷ رہے۔ اور ۵۸ نہ ہو۔ کیونکہ ۵۸ کا عدد ۱۹ سے تقسیم نہیں ہوتا ہے۔ اور ایک باقی چھوڑ دیتا ہے۔

کوئی مصنف جس نے اپنے مدعا کو بیان کرنے کے لیے قوم لوط کے

الفاظ بار بار استعمال کئے ہوں۔ اور بتلایا ہو۔ کہ یہ لوگ شہوت سے مغلوب ہو کر عذاب کے شکار ہو گئے۔ یہاں بھی حسب سابقہ قوم لوط کے الفاظ استعمال کر دیتا مگر علیہا تسعۃ عشر کہنے والا مصنف۔۔ آپ ہی بتا دے خدا ہے یا محمدؐ۔۔ اپنی بات کو ایک حسین انداز میں پورا کرتے ہوئے "قوم لوط" کے الفاظ کے بدلے "اخوان لوط" استعمال کر کے مقصد کو پورا کرتے ہوئے ۵۸ کے بدلے ق کی تعداد ۵۷ کر دیتا ہے۔ اور علیہا تسعۃ عشر کی حقیقت باقی رکھتا ہے۔

اب ایک اور سورت ہے۔ سورہ "ص" میں یک حرفی مقطعات کو جگہ ملی ہے۔ یہ قرآن کی اڑتیسویں سورۃ ہے۔ دیگر مقطعات کی طرح "ص" کے معنی کسی مفسر نے مقرر نہیں کئے ہیں۔ اگرچہ اپنی رائے کسی کسی مفسر نے پیش بھی کر لی ہے۔ خدائے قدیر نے کس آسان اور حسابی انداز میں قرآن کی حفاظت کا اہتمام کیا ہے۔ یہ ان مقطعات کا اشارہ ہے۔ آج ہی کیوں اور آج تک کیوں نہ کسی مفسر نے ان سے یہ کام لیا ہے۔ اس کے لیے ہمیں بغیر اس کے اور کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ کہ آج ایسی بات کا زمانہ ہے۔ اور آج سے پہلے ایسا نہ تھا۔

ہم "ص" کو دو اور سورتوں کے مقطعات میں بھی پاتے ہیں۔ یہ ہیں ساتویں سورۃ اور ۱۹ ویں سورۃ۔ ان تینوں سورتوں میں جب ہم "ص" جمع کر دیتے ہیں۔ تو وہ ایک سو باون ہیں۔ اور ۱۵۲ مساوی ہے ۸ × ۱۹ کے۔ گویا یہاں بھی وہ اصول پورا کیا گیا ہے۔ جس کا حسابی ثبوت ہم پیش

کرتے آئے ہیں۔ علیہا تسعۃ عشر

یہ بھی دیکھتے جائیے۔ کہ سورۃ المص اور کھیٰعص میں بھی ص کا مقام موجود ہے۔ ایک میں چار اور دوسرے میں پانچ حروف استعمال کیے گئے ہیں۔ یہاں پر بھی صداقت کا وہی حال ہے۔ جواب تسک دکھا گیا۔ نیچے نقشہ ملاحظہ ہو۔ کیا ایسی بات اس لیے واقع ہو گئی۔ کہ رسول خدا خدا سے دعا مانگا کرتے تھے۔ "خداوندا میرے علم میں اضافہ کر، میرے فہم کو وسعت دے اور میری حیرت کو بڑھا دے۔"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ نمبر	مقطعات	مشترک حروف تہجی	تعداد
۷	المٓصٓ	ص	۹۸
۱۹	کٓھٰیٰعٓصٓ	ص	۲۶
۳۸	صٓ	ص	۲۸
		میزان	۲۵۲

علیہا تسعۃ عشر ۱۹×۸ =

سورہ نمبر ۷ المٓصٓ میں

حرف تہجی الف کی تعداد ۲۵۷۲ ہے

" " ل کی تعداد ۱۵۲۸ ہے

" " م کی تعداد ۱۱۶۵ ہے

اور " " ص کی تعداد ۹۸ ہے

کل میزان ۵۳۵۸ ہوتا ہے۔

جو ۱۹ × ۲۸۲ کے برابر ہے۔

کھیعص س

ک	۱۳۷
ھ	۱۶۸
ی	۳۴۵
ع	۱۲۲
ص	۲۶

۱۹ × ۴۲ = ۷۹۸

سورۃ نمبر ۷ یعنی المص میں ہمیں ایک اور نشان بھی مل جاتا ہے۔ جس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے۔ کہ قرآن خدا ہی کا کلام ہے۔ اور محمدؐ نے اس کو خود نہیں گھڑ لیا ہے۔

آیت نمبر ۶۹ میں یہاں ایک لفظ بصطۃً آیا ہے۔ اس کو ب، ص، ط، ا، ر ت کے حروف تہجی سے لکھا جاتا ہے لیکن تحریر میں آج تک ۱۴۰۰ سال سے ہر قرآن شریف میں اس لفظ کے ص پر ایک سین لکھا جاتا ہے۔ اور قرآن میں ہمیشہ سورۃ نمبر ۷ کے آیت ۶۹ میں اس کی تحریر یوں ہے۔

بَصۜطَةً

ایسے لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ص میں لکھا جاتا ہے۔ لیکن یہاں س ہی پڑھا جائے۔ عربی کی وسیع زبان میں جس کی ہزاروں شاخیں ہیں

کسی بھی مقامی شاخ میں ص سے کوئی بصطۃ کا لفظ نہیں پایا جاتا۔ اس زبان میں قرأت کا پورا لحاظ رکھا جاتا ہے اور پڑھنے میں ہر حرف تہجی کے لیے ایک خاص انداز ہے۔ انگریزی میں لکھئے KNIFE اور پڑھئے نائف یا لکھتے ہیں PHILOSOPHER اور پڑھتے ہیں فلاسفر مگر عربی میں ایسی بات نہیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ بصطۃ کے ص پر اوپر س داخل کیا گیا ہے: تاکہ لکھا جائے ص اور پڑھا جائے س۔

روایت ہے۔ کہ جب ہمارے پیارے نبیؐ کاتب کو یہ وحی تحریر کرا رہے تھے۔ تو انھوں نے اس لفظ کے لکھاتے وقت ہی کاتب سے کہا۔ کہ وہاں بسطۃ کو جسے کہ وہ عربی زبان میں موجود ہے بصطۃ تحریر کرے۔ ان کے اس فرمودہ کی بنیاد جبرئیل کی ہدایت ہے۔ کہ ایسا کیا جائے اور ۱۴۰۰ سال کے عرصہ میں اس لفظ کے تحریر کا قرآن میں یہی انداز قائم ہے۔

معنی میں تو ص اور س سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جیسے کہ انگریزی میں آپ DOCLE لکھ دیں یا DOSILE یا CIRCLE لکھ دیں، یا SIRCLE معنیٰ میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پھر جب معنیٰ کا فرق بھی مطلوب نہیں تو اس آیت میں یہ س کو ص سے بدلنے کی وجہ کیا ہے۔ جبرئیل نے اس لفظ کے خصوصی طور پر اس طرح لکھنے کی تاکید کیوں کر دی ہے؟

ہزار سال سے زیادہ عرصہ کے لیے قرآن ہاتھ سے لکھا جاتا رہا۔ اسکی نقول اسی طرح بنانے کا سلسلہ جاری رہا۔ پرنٹنگ مشین تو تھی نہیں۔ اس لیے یہ ہاتھ سے لکھ کر نقل کرنے کا سلسلہ نسلاً بعد نسلٍ چلتا رہا۔ ہر کاتب حسب وہ اسی

لفظ بسطۃ کو ۲: ۲۴۷ آیت میں نقل کرتا۔ تو حسب دستور وہ اس کو معروف حروف ہجی میں لکھ لیتا۔ لیکن جب وہ اسی لفظ کو ۷: ۶۹ پر لکھتا۔ تو وہ لازماً ص سے س کو بدل دیتا اور اپنے کو کچھ اس ترکیب ہجی پر غیر مطمئن بھی پاتا۔ کوئی یہ بھی سوچ سکتا تھا کہ شاید کسی سے غلطی سرزد ہو کر ایسا لکھا گیا ہے۔ لیکن اس آیت میں کوئی اس لفظ کو بسطہ نہ لکھ سکا۔ اور اس کی وہ طرزِ تحریر باقی رہی۔ جو حضور کے وقت میں مقرر ہو گئی تھی۔ قرآن کے لاکھوں ہاتھوں سے لکھے ہوئے نقول اس حقیقت پر شاہد ہیں۔ کسی زیرک زمانہ نے اپنی زیرکی کو استعمال کر کے اس کی "تصحیح" کی ہوتی۔ اور اسے عربی کے اصل تحریر کے مطابق بنایا ہوتا۔ تو ہم آج ایک "ص" کی کمی پاتے۔ اور ص لکھنے والے ان تین سورتوں میں ہمارا مجموعہ ۱۵۱ ہوتا نہ کہ ۱۵۲! اور ۱۵۱ میں انیس کوئی جزءِ ضربی نہیں۔

اب کون سی بات ہے۔ جو آپ کو سمیع و بصیر اور علیم و خبیر خدائے واحد کے سامنے سر جھکانے اور اس پر ایمان لانے سے روک رہی ہے۔ وہ آپ کو نشانات پر نشانات دے رہا ہے۔ تاکہ آپ اس کی معرفت حاصل کریں۔ یقیناً اس نے اپنا وعدہ پورا کر لیا ہے۔

انا نحن نزلنا الذکر — ہم نے ہی بے شک پیغام کو بھیجا ہے
وانا لہ لحفظون الذکر — اور ہم ہی اس کو لازماً محفوظ رکھیں گے (تاکہ اس میں تحریف نہ ہو)

قرآن ۱۵ : ۹

سورہ ۷ آیت ۶۹ یہ ہے :-

وَاذْكُرُوْا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً

سورۂ ۲ آیت ۲۴۷ یہ ہے :-

قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ

قرآن کی ہر اس سورۃ کا جس کو حروف مقطعات سے ابتدا کی گئی ہے۔ یہی کمال ہے۔ حروف تہجی کو جو مقطعات میں موجود ہوں۔ سورۃ میں گن لیں۔ اور مجموعہ کو ۱۹ پر تقسیم کریں۔ تو تقسیم پوری ہوگی۔ باقی کچھ نہ رہے گا۔ یہ بات ہر سورت میں بلا استثنا، ٹھیک پائی جائے گی۔ کسی آدمی کے لیے اس پیچیدہ طرز عمل کو سوچنے اور تیار کرنے میں کتنا وقت درکار ہوگا اور کیسا ذہن درکار ہوگا۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کیا محمدؐ کو یہ چیزیں حاصل تھیں۔ یقیناً نہیں اُن سے زیادہ مصروف شخصیت کوئی اور نہیں تھی۔ اگر پھر بھی ہٹ دھرم یہ کہدیں۔ کہ محمدؐ نے صحرا میں کہیں ریت کے اندر ایک کمپیوٹر چھپا رکھا تھا۔ اور وہ اسی سے کام لیا کرتے تھے۔ تو اپنی ذات کی حد تک میں اسی بات کا اقرار کر دوں گا۔ اور کہہ دوں گا۔ کہ ایسا ہونا ممکن لیکن یہ ہرگز مانا نہیں جا سکتا۔ کہ محمدؐ عظیم انسانی ذات سے یہ معجزات حسابی سمہ اپنے افکار کو محفوظ رکھنے کے لیے صادر ہوا تاکہ ان میں آئندہ تحریف نہ ہو۔

یہاں میں نے اس تودۂ مخفی کا سرا کھول دیا ہے۔ جو اس کے سمندر کی تہ میں نہایت ہی دور تک موجود ہے۔ جو اس تحقیق میں اور آگے بڑھنا چاہتے

ہوں۔ ان کو میں ایک چھوٹی سی کتاب اور ٹیپ کا حوالہ دیتا ہوں۔ جس سے وہ مدد لے سکتے ہیں۔ یہ ڈاکٹر راشد خلیفہ پی، ایچ، ڈی کی محنت کا نتیجہ ہے۔ اور اس کے حاصل کرنے کا پتہ یہ ہے:۔

اسلامک ٹیپ لائبریری ۳۱۸ شیانی سنٹر ۱۶۵ گرے سٹریٹ ڈربن۔ قیمت:۔ ۳۰۰ روپے، ڈاک خرچ ۵ روپے۔

میں ڈاکٹر خلیفہ کا ممنون ہوں۔ کہ ان کی وجہ سے اس مضمون پر مجھے شرح صدر حاصل ہوا ہے۔ خدا انھیں تادیر سلامت رکھے۔ تاکہ وہ اسلام کی بے لوث خدمت کر سکیں۔

مگر اس حسابی معجزہ کو اختتام پر پہنچانے سے پہلے مجھے اجازت دیجیے۔ کہ مقطعات کے متعلق میں ا، ل اور م سے شروع ہونے والے سورتوں کے متعلق یہ مختصر نقشہ پیش کروں:۔

سورہ نمبر	نام سورت	تعداد ا	ل	م
2	البقرہ	4592	3204	2195
3	آل عمران	2578	1885	1251
7	الاعراف	2572	1523	1165
13	الرعد	625	479	260
29	العنکبوت	784	554	347

سورہ نمبر	نام سورت	تعداد ا	ل	م
30	الدھر	545	396	318
31	لقمان	348	298	177
32	السجدہ	268	154	158

میزان کل 5871 + 8493 + 12312

= 26676 = 1404 X 19

علیہا تسعۃ عشر

ا اور ل اور م کو آپ کمپیوٹر کے ذریعہ سے گن لیں۔ اور خود حرف مجموعہ پر نظر ڈالیے۔ تو آپ پر فوراً یہ ثابت ہوگا۔ کہ ایسا عظیم حسابی نظم ہم انسان سے ماورا قوت میں ہی پا سکتے ہیں۔ اس کو خواہ مخواہ محمدؐ رسول اللہ صلعم سے منسوب کرنا ایک بڑی غلطی ہے۔

ان حروف کا مجموعہ ۲۶۶۷۶ آتا ہے۔ یہ فرض کرنا کہ ۲۳ سال کے عرصہ تک رسول اکرمؐ گنتی میں مصروف رہے۔ اور جب انھیں ۲۳ سال کے بعد اطمینان حاصل ہوگیا۔ کہ اب انھیں وہ عدد حاصل ہوگیا ہے جس کے اجزائے ضربی ۱۴۰۴ x ۱۹ ہیں۔ تو ایسی بات کا سوچنا بھی غلط ہے۔ اس پر یقین کرنے کا سوال ہی نہیں۔ اس سے بڑھ کر یہ بات اور بھی تعجب خیز ہے۔ کہ آنحضورؐ نے اپنے "بہترین ریاضی داں" ہونے کا انکشاف بھی کبھی کسی کے آگے نہیں کیا نہ ابوبکرؓ جیسے جانی دوست سے یہ بات کہدی اور نہ اپنی محبوب شریکِ زندگی عائشہؓ پر یہ راز کھولا۔ انھوں نے تو

اپنے وصال تک ایسی عظیم قابلیت کے لیے کوئی داد طلب نہ کی۔ آخر اس حیران کن خموشی کے وجوہ آپ دیں گے۔ تو کیا دیں گے؟

باب ۹

بشارت اور اس کی تعمیل

ہم اس نیتجہ پر پہنچ جانے پر مجبور ہیں۔ کہ کوئی انسان، بلکہ پوری نوعِ انسانی اپنے تمام کمپوٹروں اور کل کولیٹروں CALCULATORS کی مدد لے کر بھی اس حسابی معجزہ، اس قرآن، اس کائنات کے اندر قطعی معجزہ کی نقل بنانے میں ناکام ہونگے۔ یہ ان مختصر سے مشاہدات کا نچوڑ ہے۔ جو ہم اب تک پیش کرتے آئے ہیں۔ اگر کسی کے دماغ میں اب بھی کوئی گوشہ ہے۔ جہاں شک کے سائے موجود ہوں اور جس کو قرآن کے کلام اللہ ماننے میں تردد ہے۔ تو اسے چاہیے کہ کمپوٹر سے ہی دریافت کرلے۔

قرآن مقدس کو کمپوٹر پر لایا گیا ہے۔ ڈاکٹر راشد خلیفہ کی کتاب "THE PERPETUAL MIRACLE OF MOHAMAD" کا حوالہ دیتا ہوں۔ اس بارے میں اس کا مطالعہ کیجئے۔

مندرجہ بالا ریاضی سے حاصل شدہ حقائق کو جب پروگرام بنا کر انھیں الکٹرانک کمپوٹر پر لایا گیا اور کمپوٹر سے اس سوال کا جواب مانگا گیا۔ کہ یہ کہاں تک ممکن ہے۔ کہ ایک کتاب لکھی جائے۔ اور اتفاق سے کامیابی کے ساتھ ایک پیچیدہ طریقہ عمل ایجاد کیا جائے جس کی بنیاد ۱۹ کے عدد پر ہو۔" تو کمپوٹر کا جواب ہے کہ جو نسبت

626،000،000،000،000،000،000،000،000 کے عدد کو "ایک" کے ساتھ ہے۔ وہی نسبت ایسا نہ ہونے اور ہونے کے اتفاقات میں ہے۔ یعنی نہ ہونے کے امکانات اتنے زیادہ ہیں۔ کہ ان میں "ایک" امکان گم ہو کر رہ گیا ہے۔ اور اس امر کا ہو جانا ناممکنات میں سے ہے۔

نئے حقائق اسی انداز پر معلوم کئے جا رہے ہیں۔ اور ریاضی کو ان کے معلوم کرنے میں استعمال کیا جا رہا ہے۔ اس طرح اس ناممکن کو اور زیادہ ناممکن ثابت کیا جا رہا ہے۔

اوپر دیا ہوا عدد ایک ہیبت ناک عددی مقام رکھتا ہے اور اتفاقات وحادثات سے ظہور پذیر ہونے والی زندگی جو اس کائنات پر وجود پاتی ہے اس کے مقابلے میں قطرہ کی مناسبت رکھتی ہے۔ مخالف لوگ کائنات میں ظہور زندگی کا حادثہ پیش آنے کے لیے کچھ شرائط ضروری سمجھتے ہیں۔ مثلاً

(۱) کہ زمین اپنے محور پر ۲۳½ درجہ کا زاویہ بنائے۔

(۲) زمین کی گردش مناسب رفتار سے ہو۔

(۳) زمین کا فاصلہ سورج سے مقررہ فاصلہ ہو نہ کم نہ زیادہ

(۴) چاند بھی موجودہ فاصلہ پر ہی رہ جائے۔ اس میں کمی اور زیادتی نہ ہو

(۵) زمین کے اس کرۂ ہوائی میں جو اس کو گھیرے ہوئے ہے۔ مختلف اجزاء کا تناسب وہی ہو۔ جو موجود ہے۔

دیے ہوئے ہر شرط کا اتفاق سے پورا ہو جانا اتنا ہی بعید ہے۔ جتنا بعید یہ ہو سکتا ہے۔ شرائط کے بیک وقت پورا ہونے اور نہ ہونے میں

ایک اور ایک کھرب کی نسبت ہو سکتی ہے۔ لیکن قرآن شریف کے بنانے اور نہ بنانے کے امکان پر تو اتفاقات کی نسبت اس سے لاکھوں گنا بڑھ کر ہے جیساکہ اوپر دیے ہوکر اعداد سے واضح ہے۔ اور یہاں ہم صرف ریاضی کے تحت اس عجوبہ الٰہی کے ایک ہی پہلو کو پیش کر چکے ہیں۔ ہم مسلمانوں کے لیے اس قرآنی تحقیق کی اہمیت کیا ہے؟ یہ قابل غور سوال ہے۔

اس وقت ہماری تعداد دنیا کے اندر یہ ہے:۔

۹۰۰،۰۰۰،۰۰۰ (نوے کروڑ)

مگر ہمارا وزن کچھ نہیں۔ ہم اقوام میں تیسری درجہ کے قوم ہیں۔ اگرچہ ہمارے پاس پٹرول کی دولت ہے۔ اور ہم دولت مندی کے مقام پر آگئے ہیں۔ اگر ہم اس کثیر دولت کو امت کی تعمیر میں صرف کر بھی دیں پھر بھی ہم روس، چین اور امریکہ کے ہم سر نہیں ہو سکتے اور ان کے برابر نہیں ہو سکتے۔ وجہ یہ ہے۔ کہ ہم ایک قدم آگے بڑھتے ہیں، تو یہ ممالک ہم سے دس قدم آگے بڑھ جاتے ہیں۔ اور ہم سائنس، ٹیکنالوجی، نیوکلیر سائنس، اور خلائی تحقیقات میں ان سے پیچھے ہی رہ جاتے ہیں۔ ہم ان میدانوں میں ان کو پچھاڑ نہیں سکتے۔ ایسا کہنا اگرچہ مسلمان ہونے کے لحاظ سے ٹھیک نہیں۔ مایوسی اسلام میں جائز نہیں۔ لیکن ہمیں حقیقت کا اعتراف کرنا ہی چاہیے۔

مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب محکم میں فرمایا ہے کہ وہ اپنے دین، (نظام حیات نہ کہ مذہب جیسے کہ دین کا عام طور پر ترجمہ کیا جاتا ہے) کو دوسرے

ادیان پر غالب کردے گا۔ فرمایا ہے :۔

هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق لیظهره علی الدین کلّه ولوکره المشرکین

وہی خدا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیج دیا ہے۔ تاکہ وہ اس کو ہر جنس دین پر غالب کرے، اگرچہ یہ بات مشرکوں کو ناگوار ہی کیوں نہ گزرے۔ (قرآن ۹ : ۶۱)

اسی وعدہ کو قران میں پھر دوہرایا گیا ہے۔ اور دوہراتے وقت اخیر پر کہا گیا ہے :۔

وکفیٰ باللہ شهیداً

اور اللہ کی شہادت کافی ہے۔

(۲۸ : ۴۸ قرآن)

یہ بشارتیں کس طرح ہم پر پوری ہو سکتی ہیں۔ جب کہ ہم اقوام عالم کے اندر مضحکہ بن گئے ہیں۔ ہم کس طرح ملحدین، مخالفین، عیسائی، کمیونسٹ وغیرہ کو قائل کر سکتے ہیں۔ جب کہ ہماری قوتیں، اور ہمارے ذرائع بے ثمر جدوجہد میں صرف ہو رہے ہیں۔

بہرحال اپنی موجودہ زبوں حالی کے باوجود فتح اور کامرانی ہمارے لئے ہے وہ خدائے واحد جس کے قبضۂ اقتدار میں تمام طاقت ہے۔ اپنا معجزہ پورا کر کے رہے گا۔

وعد اللہ حقاً

خدا کا وعدہ صحیح ہے۔

(۱۲۲ : ۴ قرآن)

بار بار تاریخ میں اس حقیقت کو سامنے لایا گیا۔ کہ خدا کے ارادے کس طرح پورے ہو جاتے ہیں۔ مورخ عربوں کے عروج کے لیے جو انھیں آناً فاناً حاصل ہوا۔ کوئی وجہ نہیں دے سکتے وہ غیر معروف تھے۔ مگر اسلام کی وجہ سے مشہور ہو گئے۔ تھامس کارلائل اپنے خاص اسلوب میں یوں کہتا ہے :۔

" اونٹ چرانے والے غریب لوگ، جو صحرا میں دنیا کی ابتداء سے دنیا کی نظروں سے اوجھل ہو کر گھومتے پھرتے تھے۔" کسی نے بھی ان کی طرف دوبارہ نہ دیکھا تھا۔ سکندر اعظم ان کے قریب سے گزرا۔ ایرانی گزرے، رومی گزرے، یہ لوگ نوع انسانی کے کچا چھٹا تھے اور کسی بھی ملک گیر طاقت کے لیے ایک ناقابل برداشت بوجھ سمجھے جاتے تھے۔

" ان کی طرف ایک پیکر عمل پیغمبر ایک پیغام لے کر بھیجا گیا۔ ایسا پیغام جس پر وہ ایمان لا سکیں۔ اور دیکھتے دیکھتے غیر معروف مشہور ہو گئے، ابتر اکبر ہو گئے۔ ایک صدی کے اندر اندر عرب ایک طرف غرناطہ تک پھیل گئے اور دوسری طرف انھوں نے دلی کو جا لیا۔ بہادری، عظمت اور ہنرمندی کے پھریرے اڑاتے ہوئے عرب مدتوں سے دنیا کے ایک عظیم حصہ پر چمکتے رہے۔ عرب، محمدؐ اور وہ ایک صدی۔

محسوس تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ کہ ایک تجلی تھی۔ ایک تجلی جو اس غیر معروف ریت کے سمندر پر جس کی کوئی اہمیت نہ تھی چمکی۔ اور یہی ریت نور کش ثابت ہوئی اور پھر اس شان سے چمک اٹھی کہ دہلی سے غرناطہ تک سب کچھ روشن ہو گیا۔" یہ تو ایک ایسے شخص کے الفاظ ہیں۔ جس میں دوستی کا جذبہ ہے۔

لیکن ان الفاظ کو اس متعصب یہودی کے الفاظ سے مقابلہ کیجیے۔ جو "تاریخ علاج ومعالجہ" تحریر کرتے ہوئے اپنے سامی بھائیوں پر ایک زہر خند کرتا ہے۔ "یہ اونٹ چرانے والے اور بکروان جو رومی تخت پر جا بیٹھے"۔ یہ تو حقیقت کا اعتراف ہے۔ جس کو نفرت کے الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے۔ سامی نسل میں سے فینشی تو یورپ میں بحیثیت تاجر داخل ہوئے۔ یہودی بطور پناہ گزین۔ اور یہ صرف عرب تھے جو حکمراں ہو کر وہاں پہنچے۔

یہ ہے اللہ کا شان کمال و کرم جس کا اظہار عہد ماضی میں ہوا تھا۔ اور وہ دوبارہ ایسا کرنے پر قادر ہے۔ یاد رہے۔ کہ مغل حملہ آوروں کو کس طرح اسلام نے مغلوب کیا۔ انھوں نے مسلمانوں کی شہنشاہی کو فتح کیا۔ اور ان کو اسلام نے زیر کر لیا۔ وہ اسلام کے جاں نثار غلام بن گئے اور صدیوں کے لیے اس کے محافظ بنے اور اس کے بلند کرنے میں پیش پیش رہے۔

خدائے رحیم وکریم کے پرزور وتوانا دست قدرت پر تاریخ مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ لمحوں کے اندر اس نے گمنام قوموں کو بام شہرت پر پہنچا دیا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کی زبردست کارفرما قدرت سے ناممکنات کو امکانات میں تبدیل کرتے ہوئے دیکھا جائے۔ اگر آج "دین" عظیم طاقتوں کے ہاتھ میں ہوتا۔ جو ایٹمی طاقت اور خلائی راکٹ، عظیم نظام طاقت اور نظم وانتظام کی قابلیت کے علاوہ مادی قوت رکھتے ہیں اور ان کے ہاتھوں اپنے ارادے کو بروئے کار لاتا۔ تو تعجب کی کوئی بات نہ ہوتی۔ لیکن اگر کمزور اور بے سہارا، غریب اور لٹے پٹے لوگوں کے خاطر وہ دنیا کے مغرور، طاقتور

اور ظالم طاقتوں کو پسپت کر کے ایسا کرے تو بے شک ایک معجزہ ہوگا۔ ہمارا مسئلہ یہ ہے۔ کہ ہم زمین پر اقوام عالم کو دعوت مبازرت دیں۔ بندوق اور آتش گیر مادہ سے نہیں بلکہ ذہنی ہتھیار استعمال کریں۔ ذہنی لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں زبردستی بخشی ہے۔ اور ہمیں اس بارے میں کسی عجز کا اعتراف نہیں کرنا ہے۔ ہمیں اسلام کے اندر نوع انسانی کے پیش آمدہ ہر مسئلہ کا حل موجود ہے۔ اولین ضرورت یہ ہے کہ ذہنی طور پر منکرین ایمان لائیں۔ پھر روز و شب کے سلسلہ کی طرح باقی تمام امور بالترتیب پورے ہوں گے۔ مخالفین پر ثابت تو ہو۔ کہ قرآن خدا کا کلام مستحکم ہے۔ اس قرآن کے معجزانہ طرز تعمیر کو ان پر واضح کر دیا جائے۔ جس کو سوائے معمہ دان اور جبار و قادر کے سوا کوئی بنا نہیں سکتا۔ ہمارا فرض ہے۔ کہ ہم منکروں کو اسلام کی دعوت دیں۔ ہمارے ایک ہاتھ میں قرآن ہو اور دوسرے میں دلائل۔ آیئے ہم نوع انسانی کے ذہن کو اسلام کے لیے فتح کرنے میں آگے بڑھیں۔

ادع الی سبیل ربك بالحکمه تمام نوع انسانی کو حکمت کے ذریعہ خدا کی طرف بلاؤ (۱۲۵ : ۱۶ قرآن)

اور حکمت کا تقاضا ہے۔ کہ ہم لوگوں سے بقدر ان کے ذہن کے ان سے مخاطب ہوں۔ ان کے ذہنی پس منظر اور ماحول اور تجربہ کو سامنے رکھیں۔ ہم اب "کمپیوٹر کے زمانہ" میں زندگی گزار رہے ہیں۔ اس مشینی حیوان کے بغیر ہماری تمام ترقی کے کام دھرے کے دھرے رہ سکتے ہیں۔ ہمارے پرواز کا ہوائی نظام، ہمارے بینک اور ہمارے ٹیلی فون اس مشینی حیوان کی خدمت کے بغیر

بیکار ہوں گے۔ یہ خادم اب ہمارا مخدوم بن رہا ہے۔ اگر امریکہ میں ایک
دن کے لیے اس کمپیوٹر کو صرف ٹیلیفون میں استعمال نہ کیا جائے تو ہر ۱۴
سال کی لڑکی سے لے کر ۴۵ سال کی عورت کو کام پر لگانا ہوگا۔ پھر یہ
ٹیلی فون کا سسٹم چالو رہ سکے گا۔ اور آج ایسی چیز تو پائی بھی نہیں جاتی۔
جہاں اس سلسلہ میں انسانی ہاتھ کام آئے۔

ہر فرد خواہ اس نے اس مشین کو دیکھا ہے یا نہیں۔ اس کی عجیب
جادوگری کے متعلق سن چکا ہے۔ اور ہر فرد کی زندگی عام طور پر اس چیز سے
متاثر ہے۔ قابل حیرت امر یہ ہے۔ کہ اس کا جواب ہمیشہ صحیح ہوتا ہے خواہ
اس کا مالک ایک عیسائی ہو کمیونسٹ ہو یا کوئی اور۔ اپنے ذہن میں اپنے
نقطۂ نظر کو رکھتے ہوئے بھی اگر آپ کمپیوٹر سے پوچھیں۔ کہ ایک + ایک +
ایک کتنے کے برابر ہے۔ وہ ہمیشہ تین بتائے گا۔ اگر آپ ایک ایسے کمپیوٹر
سے جس کا مالک رومن کیتھولک ہو۔ پوچھیں کہ خدا جو باپ ہے خدا جو
بیٹا ہے اور خدا جو پاک فرشتہ ہے۔ تو وہ جواب دے گا۔ تین۔
کمپیوٹر میں احساس ہے نہ شرم اگرچہ رومن کیتھولک کمپیوٹر سے جواب طلب
کرنے والا رومن کیتھولک چاہتا تھا۔ کہ وہ تین کے بدلے جواب دے
"ایک"

اقوام عالم علم میں آگے بڑھ گئے ہیں۔ ہم قوموں سے انکی زبان
میں بات کریں۔ وہ مکمل سائنس EXACT SCIANCE ریاضی کی
زبان کو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ ان کو قرآن کی حسابی بندشیں پیش کریں۔

جن سے قرآن کے مصنف ۔ خدائے قدیر ۔ نے اپنی کتاب کی حفاظت کے سلسلہ میں تمام انسانی تحریفات سے بچانے کے لیے تیار کیا ہے ۔ اور قرآن کے مصنف کے ان لفظوں میں دعوت مبازرت دیں ۔

قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتو بمثل ھذا القران لا یاتون بمثلہٖ ولو کان بعضھم لبعض ظھیراً

کہہ دو ۔ کہ اگر تمام انسان اور جن اکٹھے ہو جائیں تاکہ اس قرآن کا مثل تیار کریں ۔ وہ کبھی ایسا نہیں کر سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کی مدد میں سرگرم کار ہو جائیں (۱۷ : ۸۸ القرآن)

قرآن پر تازہ تحقیقات کے ذریعہ ہمیں مندرجہ ذیل امور حاصل ہونگے :-

(۱) مخالفین اسلام کے دلوں میں ایک بڑی گھبراہٹ پیدا ہوگی ۔

(۲) یہ تحقیقات پر خلوص یہودی اور عیسائیوں کو مطمئن کر دے گی ۔ جیسے کہ جولیس ہسرمن اور ہیمن ایچ ہاٹ جن کو کہ اسلام کے متعلق یہ اچھی رائے ہے ۔ کہ محمدؐ کے وحی کا منبع خداوند کریم ہے ۔ اور قرآن شریف خدا کا مستحکم کلام ہے اور پوری طرح محفوظ ہے ۔

(۳) اس تحقیقات سے مسلمانوں کے ایمان میں قوت پیدا ہوگی ۔ مسلمان تو پہلے ہی قرآن شریف کو کلام خدا مان لیتے ہیں ۔

(۴) اس کی وجہ سے کوئی بھی شک وشبہ جو مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہوں یا اہل کتاب کے دلوں میں ہوں ۔ دور ہوں گے ۔

(۵) اس تحقیقات سے یہ ظاہر ہوگا ۔ کہ منکرین اور منافقین اور

متعصب مجنوں قسم کے لوگ جہنم کا حصہ ہیں۔ اور اس کو خدا نے ان لوگوں کے لیئے تیار کیا ہے۔ جو جان بوجھ کر اس کی ہدایت کو رد کریں۔

خاتمہ پر میں یہ دعا کروں گا۔ کہ خدا اپنی برکات میں سے بہترین برکات پاک پیغمبرؐ پر نازل کرے اور مسلمانوں کو اپنی اس رحمت اور عزت کے قابل بنائے۔ جو اس نے ان تمام لوگوں کا حصہ بنایا۔ جنھوں نے شکر گزار بن کر اس کے دین کی خدمت کی۔ آمین

وسیجزی اللہ الشاکرین ۝

اور اللہ عنقریب ان لوگوں کو انعام سے سرفراز کریگا

جو احسان مند ہو کر اس کے خادم ہوں

(قرآن ۳ : ۱۴۴)



مرکز جماعت اسلامی ہند میں ترجمہ مکمل ہوا۔ الحمدللہ

تاریخ شروع	۱۴ ر ستمبر ۷۹ء
تاریخ اختتام	۲۹ ر ستمبر ۷۹ء سنیچر وار

Inayat Fazili
Lal-Bazar